

# آگ خانہ بھول کر پہا!

اِنْسَانِيَّةَ اللّٰهِ لَنْ يَهْبُ عَنْكُمْ اِلَّا خَيْرَ اَهْلَ الْبَيْتِ يَطْهَرُكُمْ وَيُطَهِّرُكُمْ

مصنف

عبدالکریم مشتاق



جمہ حق ترجمہ طاعت محفوظ ہیں

نام کتاب \_\_\_\_\_ آگ خانہ بتول پر!  
مصنف \_\_\_\_\_ عبدالکریم مشاق  
پیش کش \_\_\_\_\_ اکبر ابن حسن  
اشاعت \_\_\_\_\_ طبع دوم  
مطبع \_\_\_\_\_ المناظر پریس  
تعداد اشاعت \_\_\_\_\_ ۵۰۰  
قیمت \_\_\_\_\_ صرف روپے

ناشر

رحمت اللہ بک اچنسی

ناشران و تاجران کتب

مہینہ بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
مَدَامُ الْخَيْرِ أَهْلَ الْبَيْتِ يُطَهِّرُكُمْ وَيُطَهِّبُكُمْ

آگ خانہ بتول پر!

مصنف  
عبدالکریم مشاق

رحمت اللہ بک اچنسی ناشران و تاجران کتب  
مہینہ بازار نزد خوجہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲



نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر شمار	صفحہ نمبر شمار
۳۱	اہل بیت اہل خیانت	۵۸	۵۸
۳۲	حکومت کے خلاف فساد انگیز مشورے	۶۰	۶۰
۳۳	حضرت فاطمہ ان اجتماعات سے ناخوش تھیں	۶۳	۶۳
۳۴	سیدہ اخلاقاً لوگوں کو نہ روکا	۶۴	۶۴
۳۵	حضرت عمر نے اس گروہ کو دھمکا کر کہا تھا	۶۵	۶۵
۳۶	ہندیدہ حرا کے موافق حدیث ہے	۶۷	۶۷
۳۷	واقعہ ابن اخطل سے استدلال	۷۰	۷۰
۳۸	سیدہ اس جماعت کو سزا دینے سے مکدر نہ تھیں	۷۲	۷۲
۳۹	قول عمر بن الخطاب میرے گھٹ کر ہے	۷۵	۷۵
۴۰	دو لڑکیاں خلائق میں تھیں	۸۰	۸۰
۴۱	فاسد ارادے سچا موجب قتل و تہذیب		
۸۵	بہی ہو جانے دھمکانے کا تو ہے شیعوں نے اس طعن میں ذکر ترقی کیا ہے	۸۸	۸۸
۸۹	فرد عشرہ مبشرہ نہ ادھر کے نہ ادھر کے	۹۱	۹۱
۹۱	ادھر قابل قبول ادھر واجب الرفض	۹۳	۹۳
۹۳	اصول شیعہ طریقی اہل سنہ	۹۶	۹۶
۹۶	منقش پردہ اور تصویریں والا قصہ	۹۷	۹۷
۹۷	مراعات ادب مقفی ایسی دھکی کی نہ تھی۔	۹۸	۹۸
۹۸	فعل محصور سے مطابقت	۱۰۰	۱۰۰
۱۰۰	خاتون قیامت علامہ اقبال کی اقبال مندی		

## تفصیلات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر شمار	صفحہ نمبر شمار
۱	ابتدائیہ	۵	۱۷
۲	مناقب فاطمہ زہرا	۱۳	۱۸
۳	غضب سیدۃ النساء	۱۷	۱۹
۴	مسلم بن قتیبہ کی توثیق	۱۹	۲۰
۵	تاریخ ابوالفداء میں ذکر احراق	۲۰	۲۱
۶	ابوالفداء کا اقتدار	۲۱	۳۵
۷	عقد الفرید کی عبادت	۲۲	۲۲
۸	شان ابن عبد ربیع	۲۲	۳۷
۹	طبری کا بیان	۲۳	۳۷
۱۰	امام اہل سنت طبری کا مرتبہ	۲۳	۴۱
۱۱	تاریخ طبری کا پایہ	۲۷	۴۳
۱۲	ذکیل صفائی کا موکل کے جرم کا اعتراف	۲۷	۴۶
۱۳	بیت فاطمہ کی شان و عزت	۲۷	۴۸
۱۴	غیر مسلم مورخین	۲۸	۵۳
۱۵	گبن	۲۸	۵۶
۱۶	ایر دنگ	۲۹	۵۷

## ۵ ابتدائیہ

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضائل اہلبیت علیہم السلام کو اپنی امت پر واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمایا اور ملت اسلامیہ کو ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ رہنے کا ایسا موزوں طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں انسان کبھی بھی صراطِ مستقیم سے ہٹ سکتا۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کی وجاہت اور شیطانِ مردود کی اکساہٹ کے باعث حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے کی طرف توجہ نہ دی اور اکثر لوگوں نے عوام الناس کو ایسی راہوں پر ڈال دیا کہ منزل مقصود کی طرف جانے والی راہ کی جانب توجہ مبذول کرانا ہی سمجھا جانے لگا۔ مادی شان و شوکت اور افراطِ زر نے قوم کو حقیقی عزت ناموس اور روحانی متاع سے بے نیاز کر دیا جس کا نتیجہ آج مسلمانوں کی قابلِ رحم حالت کی صورت میں دنیا میں صاف ظاہر ہے۔

دنیا میں مگر اسی کی لڑی تو بہت سی صورتیں ہیں لیکن اگر ان کا تجزیہ کر کے تلخیص کی جائے تو تمام مگر اسیوں کو صرف دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے اول وہ حالت کہ حق سرے سے ہی انسان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ اور لوگ باطل سے اس قدر ماتوس ہو جائیں کہ باطل ہی ان کو حق نظر آنے لگے اور دوم یہ کہ حق و باطل ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر اس طرح رمل جائیں کہ شناخت حق ممکن نظر نہ آئے

جب تک اول الذکر صورت کا سامنا رہا خدا اپنے پیغمبر ارسال کرتا رہا ہے تاکہ لوگوں کو ہدایت نصیب ہوتی رہے لیکن رسالت محمدیہ کے بعد حق و باطل میں واضح فرق ظاہر کر دیا گیا۔ لہذا سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ لیکن

فطرۃ انسانی ضمیر میں فحور کی بھی آمیزش ہے اور اس کا بھٹک جانا عین ممکن ہے اور اس طرح جو گمراہی ہوگی وہ قسم دوم میں شمار ہوگی کہ حق کا تحنیل بھی قائم رہے مگر باطل بھی حق دکھائی دیتا ہو ایسی صورت میں حق کو باطل سے علیحدہ کرنے کے لئے ہادی کی ضرورت ہے جو اصطلاحاً امام کہلاتا ہے نبوت کے بعد سلسلہ امامت شروع ہوتا ہے اور امام کا بنیادی کام یہ ہے کہ صراطِ مستقیم پر جو رکاوٹیں کھڑی ہیں کہ جس سے وہ راستہ مسدود نظر آنے لگے۔ ان کی صفائی کر کے صحیح راستہ کی نشاندہی کرے اور منزل کو نمایاں کر کے راہ حق کو آسان اور سہل بنا دے۔ صراطِ مستقیم تو ایک دفعہ مکمل طور پر اور ہر لحاظ سے مادی و روحانی تمام شعبہ ہائے زیست کے نقطہ نظر سے دکھائی جا چکی ہے اب تو محض اس کو نمایاں کرتے رہنا اناموں کا کام رہے گا۔

لیکن یہ کام بھی عملاً مشکل تھا۔ سب سے پہلے التباس حق و باطل یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ اصل امام اور حلی امام اس طرح رمل مل جاتے ہیں کہ اکثریت کو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ صحیح امام کون ہے! لوگ نقلی اماموں کی تقلید کر کے گمراہ ہو جاتے۔ اصلی امام کی شناخت اور اس کی پیروی ضروری ہے کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو امام کی معرفت کے بغیر مرادہ جہالت کی موت مرا۔ فرمان رسولؐ سے ثابت ہوا کہ معرفت امام بذات خود ایک مشکل کام ہے کیونکہ اگر ہر مسجد میں نماز پڑھوادیئے والا یا تخت پر بیٹھ جانے والا امام حقیقی ہوتا تو پھر ایسی حدیث کی قطعاً ضرورت نہ ہوتی۔ ہر بادشاہ کی معرفت اس کی تلوار کروادیتی اور نماز کی امامت امام کا تعارف کرادیتی مگر قابلِ غور امر ہے کہ جس چیز کی اہمیت ایسی تھی کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر لازم آتا تھا تو اس کا ہتانا اور امام کی شناخت

میں۔ آپ کی لاغر سی جسم سے آپ نے فرمایا۔ اے فاطمہ چادر بانی  
لاکر مجھے اور چادر سیدہ فاطمہ فرمائی ہیں کہ میں نے چادر تو  
آپ کو اور عیسیٰ اور آپ کے چہرہ مبارک کی جانب دیکھتی رہی کہ  
یک نخت آپ کا رخ اترس پورے چاند کی مانند منور ہو گیا۔ سیدہ  
کا ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر گزری تھی کہ میرا فرزند حسن آیا اور مجھ سے  
کہا اے امی جان آپ پر سلام ہو میں نے جواباً کہا کہ اے میری آنکھ کے  
نور اور میرے دل کے میوے تم پر بھی سلام ہو۔ تب (امام) حسن نے  
کہا کہ اے مادرِ معظمہ! مجھے آپ کے پاس سے بہت عمدہ خوشبو آ رہی  
ہے جس طرح کہ میرے نانا رسول خدا کی خوشبو ہوتی ہے۔ میں  
نے جواب دیا کہ تمہارے نانا محترم چادر کے نیچے ہیں۔ وہ (حسن) چادر  
کی طرف گئے اور کہا کہ اے میرے نانا جان، اللہ کے رسولؐ  
آپ پر سلام ہو۔ مجھے اجازت ہے کہ میں آپ کے ساتھ سایہ چادر  
میں آ جاؤں؟ رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے اجازت دے دی اور  
حسن اس چادر میں داخل ہو گئے۔ فوراً اسی دیر بعد حسین آ گئے اور  
کہا اے والدہ محترمہ آپ پر سلام ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اے میرے  
نور نظر تم بھی سلام ہو حسین نے کہا۔ امی حضور میں آپ کے پاس سے  
بہت بھینی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ جیسی کہ اپنے نانا جان رسول خدا  
سے پاتا ہوں۔ میں نے کہا کہاں تمہارے نانا اور تمہارے برادر اس چادر  
کے نیچے ہیں۔ حسین بھی چادر کی طرف گئے اور عرض کیا اے جد  
بزرگوار اے رسول خدا کہ میں کو اللہ نے رسالت پر مبعوث فرمایا  
اور منتخب کیا ہے۔ آپ پر سلام ہو۔ کیا مجھے چادر میں آنے کی اجازت

نہ کرنا نشان نبوت اور کار رسالت سے لجید تھا۔ لہذا حضور نے واضح  
طور پر امت کو قرآن و اہل بیت کے حوالے کر کے بتا دیا کہ اصل امام  
میری محترمت میرے اہل بیت ہیں۔

اہل بیت جہارت کا تعارف حدیث کسار میں کر دیا گیا ہے اور روح  
اہل بیت حضرت سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ حدیث کسار کی صحت  
کے اثبات مندرجہ ذیل کتب اہل سنت میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ الجزء السابع ص ۱۳

۲۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ الجزء الثالث ص ۴

۳۔ مسند احمد حبل جز الاول ص ۳۱ جز ثالث ص ۳۸۵، ص ۵۱۵ جز راج

ص ۲۹۲، ص ۲۹۶، ص ۲۹۸، ص ۳۰۲، ص ۱۹۹، ص ۱۹۸

۴۔ تفسیر درمنثور علامہ حلال الدین سیوطی الجزء الخامس ص ۱۹۹، ص ۱۹۸

۵۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علامہ ابن عبد البر الجزء الثانی وغیرہ

چونکہ حدیث موصوفہ کی تلاوت کے اشارات و فوائد مسلمہ ہیں۔ لہذا

جی چاہتا ہے کہ اس مقدس حدیث کو ہی ابتدائیہ قرار دے اور

استفادہ عام کے لئے اس کا ترجمہ نقل کر کے دعوت عام دوں کہ اس

پاک حدیث کو لفظین و اطمینان کی مشروط کے ساتھ ہر مشکل کا حل اعتقاد کریں

انشاء اللہ ہر ربخ خوشی سے بدل جائے گا۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام سے مروی ہے۔ آپ ارشاد

فرمائی ہیں کہ ایک روز میرے والد رسول اللہ میرے گھر تشریف

لائے اور ارشاد کیا کہ اے فاطمہ میں اپنے جسم میں کمزوری محسوس

کرتا ہوں۔ میں نے عرض کی اے ابا جان میں خدا کی پناہ طلب کرتی



ہے! آنحضرت نے فرمایا کہ میں تم کو اجازت دیتا ہوں پس حسین بھی چادر میں اپنے نانا کے ساتھ داخل ہو گئے اتنے میں حسن کے ابا —

علی ابن ابی طالب تشریف لائے اور فرمایا

اے رسول خدا کی دختر نیک اختر آپ پر سلام ہو۔ میں نے جوابا کہا۔ آپ پر بھی سلام ہو۔ ابوالحسن نے فرمایا۔ میں تمہارے پاس سے عجیب بوئے خوشگوار ایسی پاتا ہوں کہ جو اپنے بھائی اور ابن عم رسول خدا کی پاتا ہوں۔ میں نے کہا ہاں وہ آپ کے دونوں فرزندوں کے ساتھ اس چادر میں ہیں۔ پس علی بھی چادر کی طرف گئے اور بارگاہ رسالت میں سلام پیش کیا اور چادر میں داخل ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ حضورؐ نے اجازت دی پس علی بھی ان سب کے ساتھ چادر میں داخل ہوئے۔ پھر فاطمہ چادر کی طرف بڑھیں اور عرض کیا اے والد بزرگوار آپ پر سلام ہو۔ اے اللہ کے رسول آپ پر سلام پر کیا مجھے اجازت ہے کہ آپ سب کے ساتھ چادر میں داخل ہو جاؤں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں اجازت ہے تمہیں اے فاطمہ! پس سیدہ بھی اس میں داخل ہو گئیں۔ جب سائے چادر میں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ عزت و جلال والے نے فرمایا۔ اے میرے فرشتو! اور آسمانوں میں رہنے والو! میں نے نہیں پیدا کئے بلند آسمان اور کشادہ زمین اور روشن چاند اور چمکتا سورج اور نہ گردش کرنے والا آسمان اور نہ سمندر و موج زمان اور نہ رواں کشتی لیکن ان پانچ ہستیوں کی محبت میں جو کہ چادر کے نیچے ہیں۔

جبرائیل نے عرض کیا اے پروردگار اس چادر میں کون ہیں؟

اللہ نے جواب دیا کہ وہ اہل بیت نبوت اور رسالت کی کان ہیں۔ وہ فاطمہ اس کے باپ، اس کے شوہر اور اس کے فرزند ہیں۔ امین جبرائیل نے عرض کیا۔ یا رب کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں زمین پر جاؤں اور ان میں چھٹا ہو جاؤں۔ اللہ صاحب عزت و جلال نے فرمایا۔ میں نے تجھ کو اجازت دی۔ پس جبرائیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا۔ السلام علیک یا رسول اللہ! اللہ جو علیؑ سے ہے آپ کو سلام کہتا ہے اور تحفہ تجلیت و اکرام بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ میں نے اپنے افسانے افلاک و فلک کھلی زمین، ماہ و درختاں، خورشید و تاباں اور گردش کرنے والے آسمان بے کراں دریا اور رواں کشتی نہیں خلق کئے مگر تمہارے واسطے اور تمہاری محبت کے لئے اور مجھے اجازت بخشی ہے کہ میں آپ کے ساتھ اس چادر میں داخل ہو جاؤں۔ تو آپ بھی مجھے اجازت دیتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم نے فرمایا میں نے تمہیں اجازت دی۔

پس حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ چادر میں داخل ہو گئے اور عرض کیا کہ خداوند عز و جل نے آپ کی جانب وحی کی ہے کہ پس اللہ کا ارادہ تو یہی ہے کہ اے اہل بیت تم کو ہر جس سے پاک رکھے۔ ایسے جبرجہ پاک رکھنے کا حق ہے

تب علی بن ابی طالب نے دریافت کیا کہ اے رسول خدا مجھے مطلع فرمائیں کہ کیا ہمارا اس چادر کے تلے جمع ہونا اللہ کے نزدیک فضیلت رکھتا ہے۔ حضورؐ نے جواباً ارشاد کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے رسالت پر مبعوث فرمایا اور اپنی رسالت

کے لئے میرا انتخاب کیا۔ ہماری یہ خبر اہل زمین کی محفلوں میں سے کسی محفل میں ہمارے شیعہ اور محبت رکھنے والے ہوں گے۔ نہیں بیان کی جائے گی لیکن یہ کہ ان پر رحمت نازل ہوگی اور ملائکہ ان کے منتشر ہونے تک ان کے لئے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ رب العالمین کی قسم ہم اور ہمارے شیعوں کا میاب ہوئے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی مقرر کیا اور اپنی رسالت کے لئے مجھے منتخب کیا۔ ہماری یہ خبر اہل زمین کی مجالس میں سے کسی مجلس میں جن میں ہمارے شیعوں ہوں گے نہ بیان کی جائے گی لیکن یہ کہ جو کہ ان میں رنجیدہ فکر مند ہوگا۔ اللہ اس کا رنج دور کرے گا اور حاجت مند کی حاجت پوری کرے گا۔ تب حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ خدائے لایزال کی قسم ہم اور ہمارے شیعوں فائز ہو گئے ہیں اور ہم کو اسی طرح ہمارے دوستوں کی سعادت حاصل ہوئی۔ دنیا اور آخرت میں۔

ہم اکثر یہ بات دہراتے رہتے ہیں کہ اسلام میں تفریق اور مسلمانوں کی پستی و زوال کی اکلوتی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حدیث کساہ کو باوجود اس اہتمام کے نہ سمجھا اور اپنے پیروں پر اپنی ہی کھلاڑی مارتے رہے۔ حدیث موصوفہ سے یہ بات مکمل ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا کے نزدیک سچا بننے والے سے بڑھ کر کسی اور کا رتبہ اور فضیلت نہیں ہے۔ یہ بزرگ معصوم و طاہر ہیں اور یہی ہستیاں مقصود کائنات اور باعث ایجاد مخلوقات ہیں۔

اہل بیت سے اعراض ہی ملت کی تباہی کا سبب ہے اور اس

لا پرواہی کے باعث لوگ ان پاک ستیوں کی منزلت و فضیلت سے واقف نہ ہو سکے محبت دنیا اور نشہ اقتدار و ہوس مادیت نے لوگوں کو ان مقدس ہادیوں کا دشمن بنا دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی زمانے کی لٹکاہیں پھر گئیں اور مرکز حدیث کساہ پر امت نے مظالم کے ایسے پہاڑ گرائے کہ سیدہ مظلومہ کو لوحہ کرنا پڑا اور آپؐ نے فرمایا۔

”میرے اور ایسے مصائب پڑے ہیں کہ اگر روشن دلوں پر پڑتے تو وہ تاریک راتیں بن جاتے۔

وہ بنی جو غایت کائنات ہو اور جس کے متعلق ہدایت پیغمبرؐ ہو کہ تحقیق اللہ غضبناک ہوتا ہے۔ غضب فاطمہؑ سے اور راضی ہوتا ہے فاطمہ کی رضا مندی سے۔ (کنز الدقائق)

بعد از وفات رسولؐ امت کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئیں۔ وہ گھر چھاں جبرائیل بھی بلاؤں نہ آئے اور جہاں خداوند عظیم نے تحفہ تحیت اکرام اسی گھر کے لئے سامان آتش جمع کیا گیا اور احراق خانہ کی دھمکیاں دی گئیں۔ یہ واقعہ امت کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے آئیے اس واقعہ کی تاریخی تحقیقات کریں اور صحت ثابت ہونے پر ملوث افراد کی بابت علوانہ رائے قائم کریں۔ شکریہ۔

گدائے در بتول  
عبدالکریم مشتاق

## مناقب فاطمہ زہرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ پاک ہے وہ ذات خداوندی جس نے بلند آسمان کشادہ زمین، مہربان ماہ درخشاں اور بحر بیکراں اہل بیت نبوت معدن رسالت فاطمہؑ ان کے والد گرامی قدر محمدؐ زان کے شوہر نامدار علیؑ اور ان کے فرزند ان ارجمند کے لئے خلق فرمائے اور وحی کی کہ اللہ کا ارادہ تو بس یہ ہی ہے کہ ان اہلبیتؑ رسولؐ کو ہر طرح کی نجاست ظاہری و باطنی سے اس طرح سے پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ سلام ہو ان حضرات علیہاؑ پر اور رحمت نازل ہوتی رہے ان لوگوں پر جو ارض خداوندی کی محافل ہیں۔ ان کا ذکر خیر جاری رکھتے ہیں اور دنیا و آخر کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

اے دعاؤں کے سننے والے رب ہمیں ان لوگوں کی راہ پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا کر جن پر تیری رحمت کا انعام ہوا اور جو کامیاب ہوئے بارگاہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلنے سے محفوظ رکھ جنہوں نے تیری غضبناکی خریدی اور جو گمراہ ہو گئے (آمین)

گزارش یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کی سب سے بڑی کتاب حدیث جسے قرآن مجید کے بعد پہلا درجہ حاصل ہے۔ صحیح بخاری ہے۔ بخاری شریف جلد دوم کتاب ابیاری میں باب نمبر ۱۳۱۸ کا عنوان ہے کہ۔

”مناقب فاطمہ علیہا السلام وقال البنی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ سیدۃ النساء اہل الجنة“ یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام کے فضائل کا بیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار

ہیں۔

نوٹ:- باوجودیکہ متن بخاری شریف میں سیدہ طاہرہ کے اسم مبارک کے بعد سلام مرقوم ہے لیکن پھر بھی مترجم عملاً علیہا السلام، لکھا پسند نہیں کرتے بلکہ عبارت رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ اللہ جانے بھائی لوگوں کو سلام کیوں پسند نہیں ہے۔ جبکہ اصل عبارت میں واضح طور پر علیہا السلام موجود ہے۔ باب مذکورہ کے تحت حدیث نمبر ۹۵۳ نقل ہوئی ہے کہ۔

”ابوالولید ابن عینیہ، عمر بن دینار، ابن ابی ملکیہ حضرت مسور ابن مخزوم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔“

(صحیح بخاری جلد دوم پارہ نمبر ۱۸ کتاب الانبیاء ص ۱۱۱ مطبوعہ قرآن محل

کراچی۔)

اس حدیث مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ سیدہ النساء اہل الجنة حضرت فاطمہ الزہراؑ صلوٰۃ اللہ علیہا کی غضبناکی اور ناراضگی بقول پیغمبر غضب و ناراضگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ بات مسلمہ ہے کہ حضور کی ناراضگی دراصل اللہ کی ناراضگی ہے۔ جس سے اللہ ناراض ہو وہ معصوب علیہم میں شامل ہوگا جبکہ سورہ فاتحہ کے مطابق ان لوگوں کی راہ سے بچنا لازمی ہے جن پر اللہ کا غضب ہو اور جو گمراہ ہو گئے۔

## غضب سیدۃ نساء

چونکہ زیر بحث مضمون تکلیف دہ ہے اور بعض طبائع نازک اس کی تفصیلات



برداشت نہیں کر سکتی ہیں۔ اس لئے ہم اپنی ذاتی معروضات پیش کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں اور صرف اہل سنت والجماعۃ مورخین کی وہ عبارتیں نقل کر رہے ہیں کہ اتفا کرتے ہیں جو اس موضوع سے متعلقہ ہیں چنانچہ سب سے پہلے ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبة متوفی ۲۷۶ھ کی مشہور کتاب الامامت والیاست سے لکھتے ہیں۔

”حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کے گھر میں موجود ہیں جو ان کی بیعت سے انکاری ہیں تو حضرت عمرؓ کو ان کی طرف روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اگر ان کو پکارا جو کہ حضرت علیؓ کے گھر میں تھے انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے بکریاں منگوائیں اور کہا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں عمر کی جان ہے۔ تم لوگ باہر نکل آؤ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا (اور وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں سب جل جائیں گے) لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا اے اباحفص اس گھر میں تو فاطمہؓ (نبی رسول) ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہوا کریں۔ (مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے) اس پر وہ لوگ حضرت علیؓ کے سوا باہر آئے اور بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے قسم کھانی ہے کہ جب تک قرآن کو حج نہ کر لوں گا گھر سے باہر نہ آؤں گا اور نہ اپنے کندھے پر دردار رکھوں گا۔ جناب فاطمہؓ اپنے گھر کے دروازے پر تشریف لائیں اور فرمایا۔ میرا اس قوم سے کوئی سروکار نہیں ہے جو اتنی بدی کرتی ہے کہ تم رسول خداؐ کے جنازے کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اور اس امر (حکومت) کا خود ہی فیصلہ کر لیا اور ہم کو پوچھنا بھی گوارا نہ کیا۔ اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا۔ پھر حضرت عمرؓ واپس آئے اور حضرت ابو بکرؓ سے جا کر کہا کہ تم اس متخلف

بیعت کو نہ چھوڑو۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے غلام قنفذ کو بھیجا کہ علیؓ کو بلا لائے۔ جب وہ (قنفذ) حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا۔ کیوں آئے ہو اس نے کہا کہ آپؐ کو رسول اللہؐ کے خلیفہ بلائے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم نے جلد رسول خداؐ پر چھوٹ باندھ لیا ہے۔ قنفذ نے حضرت ابو بکرؓ کو اس بات سے آگاہ کیا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ کافی دیر تک روتے رہے۔ جب حضرت ابو بکرؓ کے غلام بھیجنے کے باوجود حضرت علیؓ نہ آئے

تب حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور جماعت کو لے کر حضرت فاطمہؓ کے دروازے پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب فاطمہؓ نے ان کی آواز سنی تو بلند آواز سے فرمایا۔

”اے پدر پزیر گوارا اے اللہ کے رسولؐ آپ کے بعد خطاب کے بیٹے (عمر بن خطاب) اور ابی قحافہ کے سپر (ابو بکر) سے کیا کیا مصیبتیں دیکھنا نصیب ہوئیں؟“

جب لوگوں نے بی بی فاطمہؓ کی آواز سنی اور یہ گمراہی دیکھی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ قریب تھا کہ کے دل بھٹ جائیں اور ان کے جبکہ چیریدہ ہو جائیں۔ صرف حضرت عمرؓ ایک قوم کے ساتھ (قلیل جماعت) باقی کھڑے رہ گئے اور حضرت علیؓ کو (زبردستی فاطمہ کے گھر سے) نکال کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس لے گئے اور کہا کہ ابو بکرؓ کی بیعت کرو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا کرو گے؟ (عمرؓ نے کہا) اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ بہت سی گمراہی اڑا

دیے گئے۔ حضرت علیؑ نے کہا: ”تم اللہ کے بندے اور اس کے رسول کے بھائی کو قتل کرتے ہو!“ جواب دیا کہ ہم تمہیں عیدِ خدا تو ملتے ہیں لیکن رسول خدا کا بھائی تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت ابو بکر ساکت رہے حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ آپ اس سے بیعت کیوں نہیں لیتے؟ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ جب تک فاطمہ زندہ ہیں۔ میں علی کو مجبور نہیں کرتا۔ حضرت علیؑ رسول خدا کی قبر سے لپٹ کر دھاڑیں مار کر روئے اور بلند آواز سے فرماتے کہ اے میرے ماں بھائی ایک قوم نے مجھ کو کمزور کر دیا ہے قریب ہے کہ مجھے قتل کر دیں حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا۔ میسرے ساتھ فاطمہ کے پاس سے چلیے ہم نے انہیں فاطمہ کے کوم غضبناک کیا ہے۔ دونوں حضرات ابو بکر و عمر نے سیّدہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی انہوں نے اس سلسلہ میں حضرت علیؑ سے رجوع کیا حضرت علیؑ دونوں کو سیّدہ کے پاس لائے دونوں بیٹھ گئے۔

سیّدہ طاہرہ نے اپنا چہرہ اقدس ولویار کی طرف موڑ لیا۔ دونوں نے بے بے پاک کو سلام کیا۔ معصوم نے جواب نہ دیا۔ حضرت ابو بکر نے کہا اے رسول اللہ کے پیارے خدا کی قسم مجھے اپنی قرابت سے رسول اللہ کی قرابت زیادہ محبوب ہے۔ آپ مجھے اپنی بیٹی سے زیادہ عزیز ہیں۔ مجھے یہ بات پسند ہے کہ جس روز آپ کے والد کا انتقال ہوا تھا۔ میرے مرنے سے پہلے واقع ہو جاتی اور آپ کے بعد زندہ نہ رہتا

اور بخوبی۔ آپ کو آپ کی فضیلت کو اور آپ کی شرافت کو جانتا ہوں میں نے آپ کا حق اور میراث اس لئے نہیں دیا۔ کہ میں نے رسول خدا کو فرماتے محسنا کہ ہم (نبی) کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقے ہوتا ہے۔

سیّدہ نے فرمایا میں تم دونوں (حضرات ابو بکر و عمر) کو رسول اللہ کی حدیث یاد دلاتی ہوں جس کو تم (بخوبی) جانتے ہو۔ کیا تم اس پر عمل کرو گے؟ دونوں نے عرض کیا کیوں نہیں ارشاد فرمائیں۔ سیّدہ نے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دیکھ لو چھپتے ہو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا ہے کہ۔

فاطمہ کی رضامندی میری رضامندی ہے۔ اس کا ناراض ہونا میرا ناراض ہونا ہے جس نے فاطمہ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔ جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

انہوں نے (حضرت ابو بکر و عمر) کو اقرار کیا کہ ہمارے



رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سننے  
 ہے۔ تو سیدہ رعدہ (مظلومہ) نے فرمایا۔ کہ میں اللہ تعالیٰ  
 اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم (ابوبکر و صحابہ)  
 نے مجھے ناراض کیا ہے تم نے مجھے راضی نہیں کیا جب میں  
 بنی اکرم سے ملوں گی۔ تو ان سے ہمارے شکایت کروں گی۔  
 حضرت ابوبکر نے کہا اے فاطمہ! میں اللہ کی ناراضگی  
 اور آپ کے ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر حضرت  
 ابوبکر چھوٹے چھوٹے کر رونے لگے۔ قریب تھا۔ ان کی روح  
 قفس عنبر سے پرواز کر جاتی اور سیدہ فاطمہ زہرا  
 سلام اللہ علیہا فرماتے جاتے تھیں کہ۔  
 میں ہرمناز میں تمہارے لیے بدعا کروں گی۔

ابوبکر روتے ہوئے  
 چلے گئے اور لوگ ان کے گرد جمع ہوئے۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ تم میں کا  
 ہر شخص اپنی بیوی کے گلے میں باہیں ڈال کر آرام لے۔ رات کا ٹنہ ہے۔ اور  
 مجھے ایک مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ مجھے تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں  
 ہے۔ میری بیعت قبول نہ ہو۔ لوگوں نے کہا اے رسول خدا کے خلیفہ۔ خلافت  
 آپ کے بغیر نہیں چل سکتی ہے۔

(الامامت والبیاست حصہ اول ص ۳ تا ۴)

مسلم بن قتیبہ کی توثیق

حضرات اہل سنت والجماعہ کا یہ بڑی پرانی عادت ہے کہ اکثر وہ ان  
 علما اور کتبوں کا انکار کرتے رہتے ہیں۔ جن میں کوئی امر ان کے مروجہ مسلک کے  
 خلاف موجود ہو لہذا اس حدیث کے باعث یہ ضروری سمجھا ہے کہ کتاب الامامت  
 والبیاست کے مصنف کی توثیق و اقتدار بھی پیش کر دیا جائے تاکہ گنجائش  
 اعتراض باقی نہ رہے۔

ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری صاحب کتاب الامامت  
 والبیاست ولادت ۲۱۳ھ یعنی ۸۲۸ء اور وفات ۲۸۹ھ یعنی ۸۸۹ء  
 شمس العلماء علامہ شبل نعمانی تحریر کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ المتوفی ۲۸۹ھ یہ نہایت  
 نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل  
 ہیں۔ (الفاروق حصہ اول دیباچہ ص ۵)

## تاریخ ابوالفدا میں ذکر اہراق

سنی المذہب مورخ الفدا اللہ نے اپنی تاریخ میں اہراق بیت فاطمہ  
 کا ذکر بڑی احتیاط اور بڑے غنیمت الفاظ میں کیا ہے بہر حال اس واقعہ کا انکار  
 اس نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اقتباس درج ذیل ہے۔

”پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر بن خطاب کو حضرت علی کے پاس  
 اسی ارادہ کے ساتھ بھیجا کہ جو لوگ ان کے ہمراہ اہل بیت ہیں مع ان کے  
 حضرت علی کو حضرت فاطمہ کے گھر سے نکال دو۔ اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر



ان کو نکالتے سے کچھ انکار ہو تو بے شک تم ان سے رونا حضرت عمر غزوئی آگ بھی مانتھ میں لے کر بارادہ گھر کے پھونکنے کے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت فاطمہؓ راستہ میں ان کو ملیں انہوں نے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اے ابن خطاب کیا ہمارا گھر جلانے کے لئے آیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا البتہ ہمارا گھر کھڑک ڈالوں گا۔ نہیں تو تم بھی ابو بکر سے بیعت کرو۔ جس بیعت میں تمام امت داخل ہوئی تم بھی داخل ہو جاؤ۔

(تاریخ ابوالفداء علامہ داماد اہل سنت اسمعیل بن علی والی حیات رشام، ترجمہ مولوی کریم الدین حنفی انسپکٹر مدارس مدۃ ۱۳۷۱ تا ۱۳۷۹ء)

## ابوالفداء کا اقتدار

صاحب تاریخ ابوالفداء ملک الموبد عسما الدین اسمعیل ابوالفداء متوفی ۳۲۲ھ کے متعلق مشہور سنی علامہ بافی تحریر کرتے ہیں کہ۔

”۳۲۲ھ میں سلطان حماة ملک الموبد عسما الدین اسمعیل بن افضل علی الیوبی کا انتقال ہوا ایک تاریخ کی کتاب اور تقویم ابلہ ان لکھی ہیں۔ یہ بہت ہی فیضیت والے شخص تھے اور فلسفہ سے بھی واقف تھے“

(مرآة الجنان الجوزالربع صفحہ ۲۸۴)

مشہور مولوی الہمدیث نواب حدیق حسن جمع الکرامہ میں لکھتے ہیں کہ ”تاریخ ملک الموبد ابوالفداء اسمعیل موسوم بہ کتاب المختصر فی اخبار البشر و مختصرات فن خیالہ سمجیدہ و معتبر است“

## عقد الفریہ کی عبارت

علامہ اہل سنت شہاب الدین ابن عبد ربہ اندلسی اپنی کتاب عقد الفریہ ص ۱۶۹ پر لکھتے ہیں۔

”جن لوگوں نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے خلافت ورزی کی وہ علیؓ اور عباسؓ اور زبیرؓ اور سعد بن عبادہؓ تھے جن میں حضرت علیؓ اور عباسؓ بیت سیدہ فاطمہؓ میں بیٹھ رہے حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بھیجا کہ جو لوگ خانہ فاطمہؓ زہراؓ میں ہیں۔ ان کو نکال دیں اور اگر وہ لوگ گھر سے نہ نکلیں تو ان سے قتال کریں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے آگے لے کر اس مقصد سے وہاں پہنچے کہ آگے لگا دیں پس جناب فاطمہؓ نے کہا کہ اے پسو خطابؓ کیا تو میرا گھر جلانے آیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا ہاں اسی ارادے سے آیا ہوں ورنہ تم لوگ ابو بکرؓ کی بیعت کرنے والوں میں داخل ہو جاؤ۔“

## شان ابن عبد ربہ

ابوالفداء واقعات ۳۲۸ھ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ۔

”۳۲۸ھ میں وفات پائی ابو عمر احمد بن عبد ربہ بن حبیب القرطبی نے جنکا جد اعلیٰ حبیب القرطبی عبدالرحمان اموی فاتح سپین کا غلام تھا۔ یہ ابن عبد ربہ بہت عظیم الشان علماء میں سے تھے انہوں نے کتاب العقد (عقد الفریہ)

تصنیف کی ہے جو نہایت ہی عمدہ کتاب ہے۔ ان کی ولادت ۶۷۱ھ میں ہوئی ہے۔  
علامہ ابن خلکان اپنی کتاب دنیات الاعیان میں تحریر کرتے ہیں کہ۔  
" ابو محمد احمد بن محمد ابن عبد ربہ کان من العلماء المکثرین من المحفوظات  
والاطلاخ علی اخبار الناس وصنف کتابہ العقد وهو من الکتاب الممتدحی من  
کل شیء۔ "

## طبری کا بیان

مشہور مؤرخ و مفسر امام اہل سنت ابن جریر طبری اس واقعہ کو یوں  
بیان کرتے ہیں۔

" حضرت عمرؓ نے اس جگہ پہنچ کر کہ جہاں طلحہ وزیر اور بعض دیگر مہاجرین  
خفیہ (یعنی خانہ خلیفہ) پکارا کہہ خدا کی قسم تمہارے گھر کو آگ لگا دوں گا۔  
ورنہ تم لوگ بیعت اکیسے لئے باہر نکلو۔ "

تاریخ ابن جریر طبری المصنوع یہ تاریخ الرسل والملوک جزء ۱ ص ۱۹

## امام اہل سنت طبری کا مرتبہ

مشہور وکیل حضرت عمر جناب شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ۔  
" ابو جعفر محمد بن جریر الطبری یہ فقہ اور حدیث کے بھی امام مانے  
جاتے ہیں۔ چنانچہ آئمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرے  
میں شمار کیا ہے تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب  
لکھی ہے جو نیزہ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں نہایت صحت و اہتمام

کے ساتھ چھپی ہے :

(الفاروقی حصہ اول ص ۵)

## تاریخ طبری کا پایہ

مولوی شبلی اعتراف کرتے ہیں کہ۔

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر  
ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال تشقہ اور  
وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر حسن التفسیر خیال کی جاتی ہے محدث  
ابن خریمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا تمام مستند  
اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل بن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداء، وغیرہ  
انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے عنقرات ہیں۔

(سیرۃ النبیؐ لقیطع کلاں جلد اول حصہ اول ص ۱۹)

## وکیل صفائی کا مؤکل کے حرم کا اعتراف

ہم نے واقعہ احراق خانہ بتول کی تصدیق کے لئے چار معتبر و موثق شواہد نقل  
کیئے اب پانچویں شہادت علامہ شبلی کے پیش خدمت ہے جو ساری عمر  
حضرت عمرؓ کی وکالت میں بسر کر کے اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے مولوی  
شبلی نعمانی اپنے مؤکل کی صفائی کے بیان میں بایں الفاظ و کالت کرتے ہیں۔  
" بیعت حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ اس کا رد و

سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رک گیا اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔  
 حضرت بنو ہاشم اپنے اداکار پر رُکے رہے۔ اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً  
 فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمو نے بزدل  
 ان سے بیعت لینے چاہی۔ لیکن بنو ہاشم حضرت  
 علیؑ کے سوا کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی  
 شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے  
 کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا "یا  
 نبی رسول اللہ خدا کے قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم  
 اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے  
 گھر میں آگے لگا دوں گا۔" اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت  
 پر ہم ایسا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کے رواۃ  
 کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم روایت کے اعتبار سے اس  
 واقعے کے انکار کے کوئی وجہ نہیں، حضرت عموؓ  
 کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں  
 حقیقت یہ ہے کہ اسے ناز کے وقت میں حضرت عموؓ  
 نے نہایت تیغی اور سرگرمی کے ساتھ جو کاروائیاں  
 کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں  
 لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انہوں نے اعتدالیوں نے اٹھتے  
 ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کے سازشیں اگر قائم  
 رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیوازہ بکھر جاتا

اور وہی خانہ جنگی اسے برپا ہو جاتی ہے جو آگے چلے  
 کر جناب علیؑ اور حضرت معاویہؓ میں واقع ہوئی۔  
 الفاروق حصہ اول "سیف بنی ساعدہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور  
 حضرت عمرؓ کا استخلاف - ص ۱۱۳

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت عمرؓ عمر کی یہ بے اعتدالی آئندہ مفید ثابت ہو  
 یا مضر، ہم قارئین کرام کی توجہ صرف اس محور پر ہی رکھنا چاہتے ہیں کہ واقعہ  
 قصداً عراق حنفیہ تبول کا انعقاد تاریخی شواہد سے مکمل طور پر ثابت ہے  
 بقول وکیل حضرت عمرؓ علامہ شبلی صاحب "اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ  
 نہیں۔ ان پانچ معتبر و مؤثق شہادتوں کے بعد جن میں کی آخری گواہی سب  
 سے بھاری ہے کہ خور موکل کے وکیل نے اعتراف کیا ہے اب کسی اور ثبوت  
 کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے پھر بھی مزید تشفی و تسلی کے لیے مندرجہ  
 ذیل حوالہ جات، ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں جن میں حضرت فاطمہؑ  
 سلام اللہ علیہا کے گھر کو جلانے کے لیے سایان آتش لے جانے کا ذکر مرقوم  
 ہے۔

۱۔ مروج الذهب علامہ معجری جز ۳ ص ۱۹۸

۲۔ الاستیعاب علامہ عبد البر حلب اول ذکر عبد اللہ بن ابی قحافہ ابو بکر  
 ص ۳۵۵

۳۔ اردو ترجمہ از السہ الحفا شاہ ولی اللہ دہلوی مقصد دوم مآثر ابو بکر  
 ص ۵۵ ملاحظہ قرآن محل کو ابھی

۴۔ روضۃ المظاہر علامہ ابن شحنہ بر حاشیہ جلد ۱ تاریخ الکامل ص ۱۱۳



- ۵ تارخ احمدی نواب احمد حسین خان صاحب پر یا نواں ص ۱۱۱ اور ص ۱۱۲
  - ۶ ملل و نعلی امام ابوالفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی جلد ۱ ص ۳۵
  - ۷ تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ نوکثور ص ۳۲۵۔
  - ۸ حد تحقیق بمشرب سنی مولوی وحید الدین خان صاحب مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۱
  - ۹ المرنضی حافظ عبدالرحمن صاحب حنفی امرتسری مطبوعہ امرتسر ص ۲۵
  - ۱۰ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند امام احمد حنبل جلد ۲ ص ۲۸ مطبوعہ مصر
- واقعہ قصداً اوراق بیٹ کے ارفع سیدہ مظلومہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے مصائب کا اہم ترین واقعہ ہے انتقال والدہ گرامی قدر کے فوراً بعد جب معصومہ عالم حزن و یاس میں تھیں۔ اور آپ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ زندگی و بھر دکھائی دیتی تھی۔ اُمت کی اخلاقی ذمہ داری اور دینی فرائض تھا کہ وہ شکستہ خاطر اور غمگین و خستہ پیغمبر کو دلا سہ دیتی ان کے حقوق کی نگہداشت کرتی قوم پر ان کا ماتم پس کسی کر کے تسکین و تشفی کرنا واجب تھا۔ لیکن انھوں نے محض تدبیر استحکام حکومت کی خاطر ان کے غم زدہ قلب پر انتہائی بے اعتدالیوں کے ساتھ صدمہ پہ صدمات پہنچانے کی ٹھان لی گئی۔ نہ ہی بیت کی عزت و شان کا لحاظ رکھا گیا۔ اور نہ ہی اہل بیت کے اقتدار کو خاطر میں لایا گیا۔ حالانکہ حقانہ بنت الرسول کے تقدس و اعزاز سے مطلقاً باخبری حاصل تھی۔

## بیتِ فاطمہؑ کی شان و عزت

اہل سنت و الجماعت کے مشہور علامہ حافظ امام جلال الدین سیوطی اپنی تفسیرِ درمنثور میں ابن مروزیہ سے حضرت انس بن مالک اور پریدہ

سے مروی ایک روایت لکھتے ہیں کہ

»رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا بیت اذن اللہ ان ترفع یعنی گھروں میں سے ایک گھر اللہ نے حکم کیا ہے کہ بلند کیا جائے پس ایک شخص رصمائی کھڑا ہوا اس نے پوچھا اے اللہ کے رسول! یہ گھر کون ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ بنیوں کے گھر ہیں۔ پھر حضرت ابو بکر نے کھڑے ہو کر ریافت کیا یا رسول اللہ یہ گھر کس کا فاطمہ کا اپنی گھروں میں سے ہے آنحضرت نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ گھر ان کے گھروں سے افضل ہے۔

جس گھر کی عزت و شان خود سرکار کائنات نے ایسی بلند فرمائی ہو۔ اور جس گھر میں ہمیشہ نورِ ہدایت کی شمع روشن رہی اسی گھر کو بلند کرنے کے مقصد میں اگر آگ روشن کی جائے تو دنیا سے عدل و انصاف میں اس سے بڑھ کر اور کوئی بے اعتدالی نہیں ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے مسلمانوں کے علاوہ جن غیر مسلم محققین نے تاریخ اسلام کا مطالعہ و تحقیق کیا ہے وہ اس واقعہ کی مذمت کئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں۔ چنانچہ جی چاہتا ہے کہ کچھ تبصرے یورپی مؤرخین کے نقل کردوں تاکہ معاملہ بین الاقوامی سطح پر عدالت پر جانچا اور پرکھا جائے۔ لیکن پابندی تلخیصی حائل ہے لہذا محض صحت واقعہ کے بیانات ہی پر اکتفا کر دں گا۔

## غیر مسلم مورخین

گین ۱ مشہور مؤرخ ایڈورڈ گین اپنی کتاب »ری کلائیٹ اینڈ فال

آف رومن ایمپائر میں لکھا ہے کہ "محض نبی ہاشم نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے انکار کیا اور ان کے سردار علیؑ چھ مہینوں سے زائد عرصہ قطعاً لا تعلق اور خاموش خانہ نشین ہو گئے انہوں نے حضرت عمرؓ کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی جنہوں نے رسول خدا کی بیٹی کے مکان میں سے آگے بھڑکنے کا ارادہ کیا تھا۔"

(DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE V. III P. 519)

## ایروننگ

واشنگٹن ایروننگ اپنی مشہور کتاب "سیکسنٹ آف محمد" میں تحریر کرتا ہے کہ :-

"حضرت عمرؓ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ حضرت علیؓ سے کہا کہ حضرت ابو بکر خلیفہ منتخب ہو چکے ہیں۔ آپ بھی بیعت کر لیں۔ حضرت علیؓ تجوت پیش کرنے لگے اور انہوں نے اپنے حقوق چھوڑ دیئے۔ مگر حضرت عمرؓ نے کہا اب مرضی عامہ کے خلاف جو کوئی خلافت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرے گا۔ اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور کہا کہ بیعت کر لو۔ ورنہ گھر کو اور جو لوگ اس میں موجود ہیں سب کو جلا دوں گا۔ حضرت فاطمہؓ نے ملامت کرتے ہوئے کہا بلند آواز میں پکارا اے خطاب کے بیٹے تو اب ظلم تو نہ کر۔ تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر تم لوگ اور لوگوں کی طرح بیعت نہ کرو گئے تو خدا کی قسم میں ضرور آگ لگا دوں گا۔"

(SUCCESSORS OF MUHAMMAD  
WASHINGTON IRVING. P-4)

اوکلے "مسٹر اوکلے" ہسٹری آف سید سنز میں رقمطراز ہے کہ :-  
حضرت عمرؓ گھر کو آگ لگا دینے ہی کو تھے کہ حضرت فاطمہؓ نے پوچھا تمہارا مطلب کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر اور لوگوں کی طرح تم لوگوں نے بیعت نہ کی تو میں گھر کو جلا کر خاک سیاہ کر دوں گا۔

(HISTORY OF SARACENS OAKLEY P-83)

اب جبکہ اپنی دیرانی شہادتوں سے یہ بات مکمل طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ واقعہ قصداً عراق حنا نہ بتوئی صحیح اور ناقابل انکار ہے تو پھر ہم تم اہل اسلام سے دردمندانہ سوال کرتے ہیں کہ کیا جب کسی کے گھر کو آگ لگانے کی کوشش کی جائے تو گھر والے ان آتش بازوں پر ناراض ہوں گے۔ یا خوش؟ اگر کوئی گھر ان ایسی صورت میں مسرت کا اظہار کرے گا۔ تو کیا انسانی عقل اسے خلل و ماعنی سے تعبیر کرے گی۔ یا ہوش مندی و بیچارہ معزوری سے بحال نہ کہ مشا ابد صہ ہے کہ ہر حماس شخص ایسی صورت حال کو انتہائی ناگوار اور ناپسندیدگی سے دیکھے گا۔ مجھے ان لوگوں پر سخت تعجب اور حیرت ہے۔ کہ جو باوجود اس از نکاب حرکت مذموم کے حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی کو اہمیت نہیں دیتے اور سمجھتے ہیں کہ اہل بیت اور اہل حکومت میں کوئی رنجش نہ تھی۔ چنانچہ اب ہم حضرت سیدہ فاطمہؓ الزہراءؓ کی دائمی ناراضگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

## بنت رسول کی دائمی ناراضگی

ضرب المثل ہے کہ ڈوبنے والا تنکے کو بھی سہارا سمجھتا ہے یہی مثال

اس گروہ کی ہے جو میل کشتی نوح اور سفینہ نجات میں سوار نہ ہوئے اور متحار  
 میں پھنسنے ڈبکیاں لے رہے ہیں اور صراطِ حق پر مارے چلے جاتے ہیں اور  
 اپنے عزق ہونے والے پڑے کا بھرم قائم رکھنے کے لئے طوفانی موجوں سے  
 تومر دو کی استدعا کرتے ہیں مگر صحیح و سالم منزل مقصود پر پہنچنے والی کشتی کی  
 جانب بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ حالانکہ زبانی کلامی اقرار بھی کر رہے  
 ہیں کہ یہی ملک النجا ہے اسی طرح کی بیچارہ کوششیں ناموس صحابہ کے تحفظ  
 کی آڑ میں ہمارے غیر شیعہ بھائی بھی کرتے رہتے ہیں جن میں ایک یہ ہے  
 کہ جب واقعہ آتش برخا نہ قبول سے انکار کرنا مشکل و محال نظر آنے لگتا ہے تو  
 دل کو تھوٹی تسلی دینے کے لئے یہ مفروضہ وضع کر کے طبیعت پہلا لیتے  
 ہیں کہ حضرت فاطمہؑ اس واقعہ کے بعد مرتد ہو گئیں۔ اور  
 چند روز بعد ان کی رنجش دور ہو گئی تھی البتہ قیاس طفلِ تسلی سے زیادہ اور  
 کچھ نہیں ہے کیونکہ اولاً تو راضی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور دوم یہ  
 کہ ناراضگی ہر صورت میں ثابت ہے جزوی یا کلی، عارضی یا دائمی اور جب  
 ناراضگی اور غضبناکی دونوں صورتوں سے ثابت ہے تو یقیناً یہ ماننا پڑے  
 گا کہ اس واقعہ میں موت افراد ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصہ کے لئے غضبِ سببہ  
 اور ناراضگی فاطمہؑ کا نشانہ ہوئے۔ جبکہ از روئے حدیث رسولِ بی بی پاک  
 کی ناراضگی خدا اور اس کے رسول کی ناراضگی ہے حضرت فاطمہؑ کے غضبناک  
 ہونے سے رسول خدا اور اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ پس وہ تمام لوگ جن پر محصور  
 ناراض ہو گئیں۔ مغضوب قرار پائے مغضوب صراطِ مستقیم سے جدا ہوتا ہے  
 اب صرف یہ دیکھنا باقی ہے کہ یہ جدائی دائمی تھی یا عارضی تو ہم اس سلسلے

میں سب سے پہلے صحیح بخاری شریف کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ کیونکہ  
 تاریخی ثبوت ہم نے "الامامۃ والسیاستہ" کی منقولہ بالا عبارت میں پیش  
 کر دیا ہے کہ سیدہؑ نے عہدِ فرمایا کہ وہ اپنے موذیوں کے لئے ہر غازی میں دعائے  
 بد کیا کریں گا۔ اور صدیقہؑ طاہرہؑ نے بقول ابنِ قتیبہ و نیوری فرشتگان و  
 یزدان کو گواہ قرار دیکر فرمایا تھا کہ وہ اُن لوگوں پر ناراض و ناخوش ہیں۔  
 جنہوں نے انہیں اذیت دی لیکن ہم اس تاریخی واقعہ کو کتابِ حدیث  
 سے مستند کر کے اپنے موقف کو مزید تقویت پہنچاتے ہیں۔

## ثبوت از بخاری شریف

عبداللہ بن محمد، شہام، معمر زہری، عروہ حضرت عائشہؑ سے روایت  
 کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہؑ اور حضرت عباسؑ حضرت  
 ابو بکرؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے ترکہ) سے اپنی میراث مانگنے  
 آئے اور دونوں اس وقت فدک کی زمین سے اور خیبر سے اپنا حصہ طلب  
 کر رہے تھے۔ تو ان دونوں سے حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا۔ اور جو کچھ ہم  
 نے چھوڑا وہ حد فہ ہے۔ صرف اس مال سے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم،  
 کھائیں گے حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم کو جو کام جس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کو نہیں چھوڑنا ہوں۔  
 چنانچہ حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابو بکرؓ سے ملنا جلنا  
 چھوڑ دیا اور اسے سے گفتگو چھوڑ دی یعنی میل ملاپ و روم



منقطع کر لئے) یہاں تک کہ وراثتے پا گئے۔

صحیح بخاری شریف جلد ۳، کتاب الفرائض، حدیث ۱۶۳۱ (۶۰۳)

نقل کردہ حدیث کے آخری جملوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوبکر کے ساتھ تمام مراسم توڑ لئے اور تمام وفات ان سے تعلقات منقطع کیے رہیں۔ اور ان سے کلام نہ کی۔ ایسی نازک کیفیت تب ہی ممکن ہو سکتی ہے جب باہمی اختلاف اور رنجش موجود ہو اور طرفین کے آپس کے تعلقات کشیدہ ہوں۔

پس چونکہ باعتبار روایت بخاری مرویہ اُم الملیحین حضرت عائشہ جناب فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا نے اپنی وفات تک حضرت ابوبکر سے کلام نہ فرمایا اور گفتگو چھوڑے رہیں لہذا ثابت ہوا کہ سیدہ کی ناراضگی دائمی تھی۔ عارضی ہرگز نہ تھی۔ محض حقائق کو چھپانے اور مذموم کارروائیوں پر پردہ پوشی کی خاطر بعض حاشیہ بردار افراد خود ساختہ حاشیے چڑھا دیتے ہیں کہ نبیؐ پاک بعد میں راضی ہو گئی تھیں حالانکہ متن میں ایسی کوئی عبارت موجود نہیں ہے جس سے ایسا مطلب اخذ کیا جاسکے۔

پس اگر فاطمہ زہراء بنت رسول اللہ آخری وقت تک حضرت ابوبکر سے ناراض رہتے ہوئے بھی جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ابتداءً فاطمہ میں اُمت کے ناراض افراد کو جنت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

**مشرکت جہنم کی مانعت**

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کی ناراضگی (دائم) کا

ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ محدثین نے وصیت کی کہ حضرت ابوبکر و غیرہ آپ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں مرقوم ہے کہ۔

یچھے بن بکیر، لیت، ابن شہاب، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ دختر بنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھی کہ حضرت ابوبکر کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں، بھیجا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی مال کا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ اور مدینہ سے دیا تھا اور خیبر کے بقیہ غنم کی میراث چاہتے ہیں۔ تو ابوبکر نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے ہاں آل محمد اس میں سے کھا سکتے ہیں۔ اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ کے عہد مبارک کے عمل کے خلاف بالکل تبدیلی نہیں کر سکتا اور میں اسی طرح عمل کروں گا جیسے رسولؐ کرتے تھے۔

یعنی حضرت ابوبکر نے اس اقبال کے باوجود کہ آل محمد اس میں سے کھا سکتے ہیں حضرت فاطمہ کو مایوس کیا، ابوبکر کے اس (غیر آئینی) انکار پر حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہو گئیں۔ اور سیدہ نے اپنی وفات تک حضرت ابوبکر سے کلام نہ کی حضرت فاطمہ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد (صرف) چھ ماہ زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی۔ تو ان کے شوہر نامدار حضرت علیؑ نے اسے کورائے میں دفن کر دیا۔ اور ابوبکر کو (شرکت) کی اجازت نہ دی۔ اور خود ہی اسے جنازہ کھانا پڑھئے۔ (صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی پارہ ۱، حدیث ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲)

جنزہ میں شرکت کی ممانعت ثابت کرتے ہیں سیدہ کا انتقال پر ملا اس حالت میں ہوا کہ آپ حضرت ابو بکر پر راضی نہ تھیں۔

سیدہ طاہرہ کلبہ و حبیبیت جس میں آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں میں سے کوئی میرے جنازہ سے پرہیز کرے جن پر میں ناراض ہوں اور نہ ہی ان میں سے کوئی میری نماز جنازہ پڑھے مشہور کتب اہل سنت میں درج ہے اطمینان کی خاطر ملاحظہ کریں۔

- ۱ طبقات ابن سعد الجزء الثامن ذکر فاطمہ ص ۱۹۰۔
- ۲ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث امام حاکم ذکر فاطمہ ص ۱۹۲۔
- ۳ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم الجزء الثانی ص ۲۳۔

مندرجہ بالا بیان سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جناب فاطمہ نے ہر طریقہ سے اُمت پر ظاہر کیا ہے کہ وہ اس جہاں فانی سے ان لوگوں پر ناراضی گئی ہیں ممکن ہے حب انہوں نے سیدہ کی آخری وصیت اپنے بارے میں سماعت کی ہوگی۔ تو ان کے منیر نے انہیں ضرور قائل کیا ہوگا کہ واقعی رسولِ مادی کی صدیقہ و محبت حبگیرِ ظلم ہو ہے اور وہ ہم سے ناراضی ہونے میں حق پرست تھیں۔ ہر حال مجھے یہاں کسی بھی ضمنی بحث میں الجھنا مقصود نہیں ہے مگر یہ کہ سیدہ کا دائمی طور پر ناراضی ہونا اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ آپ ان افراد اُمت پر راضی نہ تھیں جنہوں نے آپ پر ظلم و ستم کیئے۔

## دلائل صفائی اور عدالت کے تعلق سے

قصہ احراق خانہ بتول کی تاریخی تحقیقات سے یہ پوری طرح ثابت ہو

چکا ہے کہ دوسرے واقعہ فلک وارض کا چشم دید ہے اور غضب سیدہ اور باب حکومت کے لئے مقصد سے نامہ ہم اب اس واقعہ کا فن عدالت سے جائزہ لیا جاتا ہے اور ان مباحث کی جانب رخ مونا جاتا ہے جن کے بل بوتے پر اہل حکومت اپنی صفائی کے دلائل وضع کرتے ہیں اس معاملہ پر طائرانہ نظر دوڑانے سے یہ سوال ذہن میں ابھر آتا ہے۔ کہ مخالفین سیدہ طاہرہ اسلامی آسمان کے مہر و ماہ سمجھے جاتے ہیں۔ وہ پیغمبرِ آخر الزماں کے قریبی صحابہ تھے اور ان کو نہ صرف شرف صحابیت حاصل تھا بلکہ دونوں کے مراتب رشتہ نبوت کے لحاظ سے متاثر تھے قدرت نے کائنات کی سب سے بلند سہتی کو ان بزرگوں کا داماد بنایا تھا یعنی یہ صاحبانِ حضور کے والدین کے درجہ پر تھے خود ان کی بیان کردہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے وہ حضرت خاتونِ جنت کے مرتبہ شناس تھے بقولے اور اہل بیت اطہار کی عزت و تکریم ان کی رگ رگ میں بسی ہوئی نظر آتی ہے کیونکہ اکثر وہ اس گھر کی تبریوں کے پل باندھتے رہے ہیں۔ بہت حیران کن امر ہے کہ پوری شناسائی کے باوجود انہوں نے ایسا سنگین قدم کیوں اٹھایا؟ عام ذہن میں یہ خیال آ جاتا ہے۔ کہ یہ ارادہ بد نیتی پر مبنی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ محض دھمکانے کی خاطر اس تدبیر کو بروئے کار لایا گیا۔ چنانچہ اہل جماعت حکومت صفائی کی دلیل ہیں پیش کرتے ہیں کہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہوتا ہے۔ مالیات حکومت کا ارادہ سیدہ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا۔ بلکہ محض ایک شورش اور اٹھتے ہوئے فتنہ کو دبانے کے لئے صرف دھمکی دی گئی۔

## قصہ احراق بدیتی پر مبنی نہ تھا محض دھمکی تھی؟

اس دلیل کو غلط قرار دینے کے لئے صرف حضرت عمرؓ کی وہ قسم کافی ہے جو انہوں نے کھائی حضرت صاحب اگر مصمم ارادہ احراق نہ لئے ہوتے تو ہرگز قسم کھا کر نہ کہتے کہ خدا کی قسم ہمارے گھر کو آگ لگا دوں گا۔ رات رات بج طبری حوالہ مذکورہ بالا حضرت عمرؓ کا قسم کھانا ثابت کرتا ہے کہ ارادہ نیک برگز نہ تھا اور اگر لوگ گھر سے باہر نہ آتے تو وہ ضرور اپنی قسم کو پورا کر دیتے پھر حضرت عمرؓ کی تیز مزاجی سے یہ حرکت عین قریب ہے جیسا کہ مولوی شبلی نے اعتراف کیا ہے اس طرح اس واقعہ کے بعد کے واقعات کی تمام کٹریاں ثابت کرتی ہیں کہ جملعت برسرِ اقتدار کے عزائم متشدد نہ تھے۔ اور انہوں نے ہر وہ سختی آزمائی جو بھی استحکام حکومت کے لئے ان کے نزدیک مفید ثابت ہو سکتی تھی حضرت ابو بکرؓ کے پاس حضرت علیؓ کو زبردستی لے جانا جبری بیعت حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کرنا اہل بیتؑ اہلدار کے اقتصادیات پر کاری ضربات لگانا اور عقیدتمندوں سے ناروا سلوک کرنے کے جو واقعات وقوع پذیر ہوئے مکمل طور پر ثابت کرتے ہیں کہ قصہ احراق ایک اتفاقیہ دھمکی نہ تھی بلکہ سوچی سمجھی تدبیر تھی کہ حصول بیعت کا ذریعہ بن سکے۔

## احراق کی دھمکی مقتضائے وقت تھی

جب ہم مکمل طور پر واقعہ قصہ احراق خاتمہ بتول کا محرک ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ثابت کرتے ہیں اور جماعت حکومت کی بنیت ظاہر ہو جاتی ہے

تو دو کلام صفائی و دسرا پہلو اختیار کر لیتے ہیں کہ فی الحقیقت ایسی حرکت وقت کا تقاضا تھی کیونکہ مخالفین حکومت (جن میں اکابر صحابہ رسولؐ اور پورا خاندانِ نبویؐ شامل تھا اور اہل جماعت تمام کے تمام افرادِ عدالت کے قائل ہیں) حضرت فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھ کر حکومت کے خلاف باہمی مشورے کیا کرتے تھے۔ اور کسی بھی حکومت کی یہ فطری ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے خلاف ہر قسم کی سازش کو کچل دے اور تمام طرح کی باغیانہ سرگرمیوں کی راہیں سد و بنادے تاکہ امن و امان سے کام لیا جا سکے اور دیاست کو استیقام نصیب ہو۔ پس چونکہ شہیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا میں اصحاب و اہل بیتؑ مل کر خلیفہ و نو منتخب کے خلاف مجمع کرتے تھے لہذا حکومت کا بنیادی حق تھا کہ وہ ان افراد کو اس باغیانہ کارروائی سے باز رکھے اور تادیبی کارروائی کرے پس حکومت کی طرف سے ایسی دھمکی یا سختی ایک آئینی و قانونی ضرورت کے تحت تھی جو فطری دستور کے لحاظ سے مذموم نہیں سمجھی جاسکتی۔ پس حکومت نے اپنا ریاستی فرض پورا کیا اور ایک ایسی جگہ کو جلانے کی دھمکی دی جہاں بنو ہاشم مع اپنے حواریوں کے خطرناک منصوبے بنانے تھے و نیزہ و نیزہ۔

یہ تیقح بظاہر ٹھیک دکھائی دیتی ہے کہ واقعی کوئی بھی حکومت یہ برداشت نہ کرے گی کہ اس کے خلاف سازش کا جال بنایا جائے اور یہ حکومت کی بنیادی ضرورت ہوگی کہ ایسی شرارتوں کا قلعہ قمع کرے لیکن معاملہ احراق میں کچھ تشریحات درکار ہوں گی۔ اول یہ ہے کہ کیا واقعی خانہ سیدہ طاہرہؑ میں حکومت کے خلاف بغاوت کے منصوبے بنے تھے اور مالکانِ حسانہ علی و ذوالکرہ کی سرپرستی میں یہ بغاوت پر جان چڑھ رہی تھی؟ اگر جواب یہ ہو کہ ہاں البے شک فاطمہؑ کے گھر میں علیؓ کی موجودگی درپیش میں حضرت ابو بکرؓ کے بغاوت کے منصوبے تیار ہو رہے تھے تو اس کا پورا فائدہ مذہب



شیعہ کو پہنچے گا اسی لئے کہ اس صورت میں مندرجہ ذیل امور رتود ثابت ہو جاتے ہیں  
۱۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ برحق نہ مانتے تھے  
۲۔ حضرت ابوبکرؓ جناب علیؑ کو سیدہ بنو لکے نزدیک غاصب تھے  
۳۔ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ نہ ماننا دین میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا ہے۔ اگر ایسا  
ہوتا تو خاندان نبوتؐ یہ گناہ نہ کرتا۔

۴۔ حضرت ابوبکرؓ نے خاندان رسولؐ کو حکومت سنبھالتے وقت اعتماد میں ہرگز نہ  
لیا تھا۔

۵۔ مقتدر صحابہ نے بیت بنت رسولؐ میں حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کو ختم کرنے کے  
منصوبے بنائے۔

۶۔ تمام صحابی چونکہ بقول اہلسنت عادل ہوتے ہیں لہذا یہ سازشی کارروائی بھی "عدل"  
قرار پائے گی۔

۷۔ رسولؐ نے حدیث ثقلین کے ذریعے امت کو قرآن و اہل بیتؑ کے حوالہ کیا چونکہ اہل  
بیتؑ نے حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کو ماننے سے انکار کیا لہذا انہوں نے حدیث  
حضرت ابوبکرؓ سے بیزاری درست ہو گی۔

۸۔ جس طریقہ سے حضرت ابوبکرؓ برسرِ اقتدار آئے وہ سسٹم جید صحابہ اور اہل بیتؑ ہی  
کی نگاہ میں غیر محسوس و اور ناقابل قبول تھا۔

۹۔ اگر بالفرض محال حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب اور قبضہ امارت اسلامیہ جائز بنیاد پر  
تھا تو مخالف صحابہ اور آل رسولؐ غلط پر تھے۔ اگر یہ علیؑ حق تو یہ جین کنا پڑے گا۔ کہ  
آبادینی غلطی یا دینی سیاسی اختلاف تھا دین کی غلطی امر محال ہے کہ خود حضورؐ  
نے امت کو تمسک بالثقلین کی ہدایت دائی فرما کر اہل بیتؑ کا برحق ہونا  
باضمانت قرار دیا اور اگر سیاسی غلطی ہے تو ماننا پڑے گا کہ اہل بیتؑ کی سیاست

اور اہل حکومت کی سیاسی پالیسیوں میں آغاز ہی سے اختلاف ہے اب چونکہ  
تمسک کا حکم رسولؐ اہل بیتؑ کے لئے ہے لہذا نتیجہ برآمد ہوا کہ سیاست رسولؐ  
موقف اہل بیتؑ سے وابستہ تھی اور ان کا مخالف غیر بنوئی سیاست پر کاربند  
تھا ایسی صورت میں بھی تا ئید اہل بیتؑ کے حصہ میں آتی ہے۔

۱۰۔ سب سے قابل غور امر یہ ہے کہ اگر استخلاف حضرت ابوبکرؓ آئینی تھا تو کیا  
حکومت وقت نے ایسا  
اتہالی تشدد آمیز قدم اٹھانے سے پہلے

اخلاقیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نرم رویہ کے ساتھ مصالحت کرنا چاہی۔ اور مذاکرات  
کی کوشش کی۔ اگر ایسی کوشش کی گئی تو اس کا کیا نتیجہ نکلا اگر نہیں تو یہ جارحانہ کارروائی  
اعتدال کے تقاضے کیسے پورے کرتے کہ اگر ایسی بے اعتدالی ہی ضروری تھی تو اس کی ٹھوس بنیاد کیا  
ہوئی۔ اب چونکہ سازش و بغاوت کا کوئی ثبوت ہی نہیں کیا جاسکا ہے لہذا اس  
کارروائی کو سوائے طاقت کے غلط استعمال اور کچھ نہیں سمجھا جاسکے گا۔

اب اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ نہیں۔ خاندان رسولؐ کے تقدس و  
جہا رت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور صحابہ کی عظمت و عدالت کو ملحوظ کرتے ہوئے  
ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ سیدہ معصومہؑ کے مکان میں حکومت کے خلاف  
نقصان دہ منصوبے بننے لگے۔ بلکہ بات حدیث یہ تھی کہ اختلاف رائے کی وجہ  
سے خاندان نبوتؐ اور ان کے طرفدار افراد حکومت پر ہتکتہ چینی کرتے تھے۔  
لہذا یہ تنقید برسرِ اقتدار و جلقہ کو ناگوار معلوم ہوئی اس کو انہوں نے اپنے خیال میں  
مضر جانا اور فتنہ سمجھا اس لئے اس کا سبب باب ضروری جانا۔ تو ہم کہیں  
گے یہ کارروائی قطعاً غیر جمہوری تھی اور آزادی رائے کے فطری حق پر ظلم تھا  
محض اختلاف رائے کی بنا پر قانون خداوندی میں کسی کے خلاف کارروائی کو نا

غیر مستحق اور قابل مذمت ہے چہ جائیکہ خاندان رسالت مآب کے ساتھ  
محض سیاسی اختلاف کی بنا پر ایسی انتقامی کاروائی کی جائے پس اس  
تاویل پر بھی حکومت برسر غلطی ثابت ہوں ہے۔

لیکن جب یہ کہا جائے کہ لوگوں کی اکثریت نے ایک حکومت کے  
اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا تو پھر متخلفین کو بھی عوامی رائے کا پاس کر لینا چاہیے تھا  
لہذا حکومت نے اپنے کو منوانے کے لئے اپنی جاوہر شہم کے ساتھ دباؤ ڈالا۔ تو  
ہم عرض کریں گے کہ ایسا مطالبہ اسلام کی سیاست کے خلاف تھا کیونکہ اسلام  
میں جبر و اکراہ کی گنجائش نہیں ہے اور جبری بیعت کو استحباب حاصل نہیں  
ہے لہذا ایک غیر اسلامی مطالبہ ہٹ و صحری اور غیر قافیہ کے باعث یہ کارروائی  
عمل میں لائی گئی۔ حالانکہ سعد بن عبادہ جیسے عشرہ مبشرہ کے صحابی اور کئی دوسرے  
اکابرین کی رائے اس قیام حکومت کے خلاف تھی مگر کسی دوسرے مخالف کے  
ساتھ ایسی سختی نہ کی گئی۔ صرف سیدہ طاہرہ سے ایسی زیادتی کرنا کیوں ضروری  
سمجھا گیا۔ جبکہ سعد بن عبادہ علاینبہ باغی تھے انہوں نے شمشیر بکف مخالفت  
کی لیکن سیدہ طاہرہ کی طرف سے ایسا کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔

## کیا خانہ بتول سازشوں کی آماجگاہ تھا؟

اس معاملہ کی تحقیق کرتے ہوئے یہ امر بھی ٹوٹنا پڑتا ہے کہ کیا یہ بات حقیقت  
پر مبنی ہے کہ بفتحہ الرسول کے گھر میں لوگ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں نہتے  
تھے یا صرف اس کی آسامیہ شبہ پر ہی غلطی ہم بڑے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ  
اجتماع جو بنی ہاشم کے افراد اور کچھ دیگر اصحاب پر حضرت فاطمہ کے گھر میں اکٹھا تھا

اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنا لینے کا اس وقت خواہش مند تھا تو بہت آسان تھا کہ  
وہ کسی کی خلافت پر بیعت کر لیتا اور جس طرح ابو بکر اپنی بیعت کے لئے لوگوں  
کو مجبور کر رہے تھے۔ اسی طرح یہ لوگ اپنے نامزد خلیفہ کی خلافت کے لئے  
کوشش کرتے۔ یہ بات دوسری ہوتی کہ لوگ کس کے طرفدار بنتے۔ کیونکہ ایسا  
کہنا صرف قیاسی ہو سکتا ہے لیکن ایسا ہرگز نہ ہوا بلکہ تاریخ سے مکمل طور پر  
ثابت ہے کہ اہل بیت اور بنی ہاشم حضرت علیؑ ہی کو خلافت کا حقدار سمجھتے  
تھے اور جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر کی خلافت قائم کر لی گئی۔ اور  
بنی ہاشم سے بالکل اس معاملہ میں کون شواہد نہ کیا گیا تھا اس غیر غائضہ اجتماع کے  
انتخاب پر لوگوں کو اعتراض ہوا اور انہوں نے خاندان رسولؐ کی طرف رجوع  
کیا اگر کسی حقدار کی حق تلفی کے بارے میں غور و فکر کرنے کو سازش کہا جا  
سکتا ہے تو پھر یہ ضرور سازش تھی۔ ورنہ انصاف تو یہ ہے کہ محلات سازش  
جو دھند میں اچھکی تھی یہ اجتماع اس کے خلاف تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ  
علیہ السلام حضرت زبیر بن عوام۔ افراد بنی ہاشم اور صحابہ رسولؐ کا حضرت  
سیدہ طاہرہ کے مکان میں ایک غاصب حکومت کے خلاف مشوروں کے لئے  
اکٹھا ہو جانا ہرگز نہ ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ ایک آئینی حکومت کے خلاف  
سازشی جلسہ تھا۔ کیوں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا مجمع ہی ایسا تھا جو پوری امت  
کا غائضہ اجتماع کہلاوا سکتا تین چار مہاجرین اور چند انصار کا اکٹھا ہو جانا اجتماع  
کی حد میں سما نہیں سکتا ہے۔ درآئیکہ کہ وہ لوگ جو قنازادہ باثراہد ہر و عوزینہ  
دعجرب رسولؐ تھے اس محفل میں موجود نہ تھے خلافت کے امیدوار اور مستحق افراد  
اہل بیت جن کے خون و لہینہ سے اسلام کی آبپاری ہوئی تھی اس مجمع سے قطعاً



لا تعلق تھے اور قریش کے سرخیل لوگ جن میں بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بھی تھا وہ بھی اس مجلس میں نظر نہیں آتا تھا لہذا کچھ افراد کا بلا جمہوری مشورہ کے کسی شخص کو امیر بنالینا درحقیقت ایک سازش تھی اور ایسی سازش کے خلاف جو لوگوں کی مرضی کے خلاف تھی۔ اور جسے زبردستی لوگوں سے منانے کی کوشش کی جا رہی تھی آواز بلند کرنا انہیں اسلام میں جہاد کہلاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رسول ہے کہ کسی جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ پس چونکہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا انعقاد ایک ایسے غلط طریقہ سے ہوا کہ جس کے بارے میں خود حضرت عمر کو کہنا پڑا کہ اگر آئندہ کوئی اس طرح کا انتخاب کرے تو اس کی گردن مار دی جائے۔ لہذا اہل حق نے اس کو پسند یہ نظروں سے دیکھا پس ان پر ظلم کیے گئے اور لوگوں کو زبردستی شیعہ بنایا ہم نوا بنانے کے لئے وہ تمام ترکیبی استعمال کر گئے جن کو سن کر انصاف کو خون کے آنسو دنا پڑتا ہے یہی وہ عمل کی گردن زدنی تھی جس کے باعث آج تک اسلام اپنے خون میں نہا رہا ہے اور باب حکومت کے دکھلا د مجبور ہیں کہ اقرار کریں کہ اس وقت صاحبانِ اقتدار سے بہت سی بے اعتدالیاں سرزد ہو گئی تھیں جیسا کہ ہم نے شبلی صاحب کا بیان گذشتہ صفحات میں نقل کیا ہے۔ پس ہم کہتے ہیں خائن سیدہ کی سازش کی آماجگاہ ہرگز نہ تھا بلکہ ایک سازش کے خلاف اور باب حق کی فریاد گاہ تھا

### سیاست میں تشدد حبابِ رزہ ہے

جب حضرات اہل سنت والجماعت کو دینی مباحث میں اپنا پہلہ ہلکا دکھائی دیتا ہے تو ان کے دکھلا د مباحثہ کا رخ دینی سیاست کی طرف موڑ دیتے

ہیں اور کچھ ہیں کہ سیاست میں سختی بالکل جائز ہمارا کرتی ہے لہذا اگر ان لوگوں کے خلاف تشدد نہ کیا جاتا جو حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف تھے تو یہ زنی ان کی حکومت کے استحکام کے لئے مضر مطلق ایسے مخالفین کو آزاد دے خوف رہنے دینا خود ان کی حکومت کیلئے تکلیف دہ ہوتا کیوں کہ ایسی صورت میں یہ امکان تھا کہ وہ مخالف طاقت پکڑ لیتا اور ان کا تختہ الٹ دیتا۔ پس سیاسی تقاضا یہی تھا کہ ایسے افراد کو دبا کر رکھا جاتا۔ ان کی کڑی نگرانی کی جاتی اور حکومت اپنے استقلال و استحکام کے لئے ایسا کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں آپ کی وکالت بجا ہے مگر راہِ خدا اپنے اس موقف پر قدم جگا رہا و اس سے سرکوتہ نہیں۔ اگر ثابت قدم ہو تو سن لو کہ ایسی بحث سے بھی یہی نتائج اخذ ہوں گے کہ :-

- ۱۔ جماعت صحابہ کبار، بنی ہاشم اور اہل بیتؑ اہل ہمار میں شدید مخالفت تھی۔
- ۲۔ سیدہ طاہرہ کے گھر میں اہل بیتؑ اور صحابہ کا حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف مشورہ کرنا حکومت ابوبکر کی ناجواز کی کی زبردست دلیل ہے۔
- ۳۔ حضرت علیؑ اور دیگر بنی ہاشم و اصحاب نے علانہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ نہ تسلیم کیا۔

۴۔ خوفِ خدا ابوبکر ہرگز حق نہ تھی بلکہ اس کی بنا غصب، ظلم و جور اور تشدد کی سیاست پر تھی۔ سرکارِ ختم المرسلینؐ کا ارشاد ہے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے لہذا علیؑ کا مخالف از روئے فرمانِ نبویؐ حق کا مخالف قرار پایا۔ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ "علیؑ اور قرآن قیامت تک ساتھ رہیں گے۔" پس مطابق ارشادِ رسولؐ مخالفین علیؑ قرآن



کے بھی مخالفت ہوئے حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "علیؑ کی رضا میری رضا ہے جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔ لہذا مخالفین علیؑ خود بخود مخالفین رسولؐ ٹھہرے۔"

۵۔ حدیث پیغمبرؐ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جس نے اپنے امام وقت کو نہ پہچانا وہ کفر کی موت مر گیا۔ حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکرؓ آپ کے سیاسی پہلو کے مطابق ایک دوسرے کے مخالف قرار پائے اب یا تو حضرت ابو بکر خلیفہ برحق تھے یا حضرت علیؑ جائز امام تھے۔ اگر ابو بکرؓ جائز امام تھے تو معاذ اللہ حضرت علیؑ، صحابہ اور بنی ہاشم نے ان کی معرفت حاصل نہ کر کے کفر اختیار کر لیا۔ اور جب آپ اپنی اس بحث کو اپنے مبنیہ سیاسی عذر کے تحت اس مقام پر لائیں گے تو آپ کے مذہب کی ساری عمارت ملیہ کا ڈھیر بن جائے گی۔

پس مذہب سنیہ پر قائم رہتے ہوئے آپ اس بحث کو جاری ہی نہیں رکھ سکتے ہیں کیونکہ آپ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ خلفاء اربعہ یعنی چار یاران رسولؐ ایک روح اور چار جسم تھے ایک دوسرے کے ہی خواہ و خیر اندیش تھے۔ ان میں رشک و حسد نام کو نہ تھا۔ چاروں آپس میں رحیم تھے۔ رقی بھران میں اختلاف نہ تھا۔ چاروں ہم مرتبہ تھے ان چاروں میں قطعاً کوئی فرق نہ تھا بلکہ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکرؓ کو جائز خلیفہ رسولؐ مانتے تھے اور خود سے افضل سمجھتے تھے اب جب دونوں آپس میں یوں مشورہ و مشورہ تھے تو پھر ایسے عقائد کی موجودگی میں اس طرح کی سیاسی تجاذب و مخالفت و استحقاق و غیرہ کے مفروضے بالکل ناروا معلوم ہوتے

ہیں۔

یہ بحث اس وقت مفید ہوتی ہے جب آپ بنی خدا، قرآن اور حکومت الہیہ سے جدائی اختیار کر لیں۔ کیونکہ اسلامی سیاست کلمہ گو پر کسی قسم کے تشدد کی اجازت نہیں دیتی ہے خواہ وہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی۔ اگر بے دین بن کر یہ بحث کریں تو پھر آمریت کے استحکام کے لئے ایسی کارروائی مفید ثابت ہو سکتی ہے اسلامی نظام حکومت کے اندر رہتے ہوئے اس واقعہ کو بے جہالت کا استعمال کہنے کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکے گا۔

## مستقبل کے کارِ عمل

واقعہ اہتمام احراق خانہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا اور ظلم و تشدد کے دیگر واقعات نے مکمل طور پر ثبات کر دیا ہے کہ جماعت حکومت نے اپنے مخالف گروہ یعنی اہل بیت رسولؐ کی شدید مخالفت کر کے اُمت مسلمہ کو قیامت تک کے لئے دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان کے بعد آنے والے حکمرانوں نے وہی طریقے اختیار کیئے جو ان کے پیشرو پیچھے چھوڑ گئے تھے آئندہ حکومتوں کا طریقہ عمل، رویہ، نیچل، کردار و افعال اور پالیسیاں تقریباً حکومت سقیفہ کی آئینہ دار رہی ہیں۔ تاریخ مین سے یہ انکشاف ہو جاتا ہے کہ آئندہ بادشاہوں نے حکومت سقیفہ کے نظائر کو قابلِ حجت سمجھا اور ان کی میرت کو لائق پیروی لازم جانا۔

مثلاً یہ کہ جبراً بیعت لینا دنیا کے کسی بھی مذہب میں جائز نظر نہیں آتا اور نہ ہی کسی اخلاقی ضابطہ میں اس کی تائید ملتی ہے آج کا دہریت

کی دنیا میں بھی ہمیں کسی ضابطہ قانون میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے کہ آزادی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے جبری بیعت لینے کی من مانی کرنا جائز تسلیم کیا گیا ہو لیکن افسوس کہ رسول کریمؐ کے پیغام حریت کو نظر انداز کرتے ہوئے حکومت سقیفہ نے جبری بیعت کی وہ نظیر قائم کر دی جس کو سامنے رکھ کر دنیا نے اسلام میں ہمیشہ آمرانہ حکومت اپنا سر بلند رکھ سکتی ہے۔ اسی مثال کو مد نظر رکھتے ہوئے یزید یحییٰ ناسق و فاجر شخص اتر آتا تھا اور اس نے اپنے بزرگوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام سے جبری بیعت کا مطالبہ کیا تھا۔ حجاج بن یوسف جیسے تاریخ سفاح کہتی ہے اس نے اپنی حکومت کے مخالفین کو ہر قسم کے جوہر ظلم و قتل و غارت کے ذریعہ دبائے رکھنے کو فعل مستحسن خیال کیا ہو گا۔ کہ اس کے خلیفہ اول کی سنت تھی۔

اول حکومت غاصبہ نے آل رسولؐ کی مخالفت و تحقیر و تذلیل کا وہ سلسلہ جاری کیا جس کو اس کی خواہش و نیت کے مطابق اس کی پیروی و کار حکومتوں نے آخر وقت تک جائز و قائم رکھا۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور جاری رہے گا۔ کیونکہ اب تو یہ بات مذہب میں ترجیح پس گئی ہے کہ جمہور مسلمین کے عقائد میں داخل ہو چکی ہے مگر اس طرز عمل نے انسانیت اور عدالت کی تاریخ کے صفحوں کو ایسا کالا کیا ہے کہ آسمان لاکھ خون روئے ان کالے قوانین کی سیاہی کبھی سفیدی میں نہیں بدل سکے گی۔ (تا ظہور حجت خدا)

بعد از رسول اسلام کی پہلی برسر اقتدار حکومت نے احسان فراموشی کی ایسی نظیر قائم کر دی کہ جس کو دیکھ کر خدا اسلام اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا ہے کفر تو ضرور خندہ زن ہوتا ہو گا۔ اور اسلام کو شرمندہ کرتا ہو گا کہ دیکھ میں نے

رام چند رجبی جیسے لوگ پیش کئے ہیں جنہوں نے اپنی سوتیلی ماں کی اتنی عزت کی کہ اس کے اشارے پر حکومت کو لات مار دی اور بن باس قبول کر کے بارہ برس جنگوں میں کاٹ دیئے اور تنہا رہے اسلام کے شمس و قمر ایسے چڑھے کہ دنیوی حکومت اور دجاہت کے حصول کی خاطر انہوں نے وہ چاند چڑھائے کہ جس سے انسانیت کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔ عدالت انسانیت کا گریبان چاک ہو گیا اور احسان فراموشی جیسے بدترین اور قابل مذمت عمل کے مرتکب ہوئے شاید رعب و عجز شیطان بھی ان بد اعمالیوں کا جدول اٹھائے میدان میں آنکھ اڑا پیل رحم داخل کر دے کہ خداوندی نے تیرے مخصوص بندوں کو تکلیف نہیں دی ہے مگر دیکھ یہ اس مخلوق کے اعمال کا کچا چھٹہ ہے جس کو تو نے مجھے سجدہ کرنے کو کہا تھا۔ لیکن غالباً اس نقشہ کو باطل کرنے اور انسانیت کے جوہر منوانے کے لئے سیدہ فاطمہ طاہرہؑ کی مظلومانہ فریاد حضرت امیر کا صبر اور امام حسن کی شہادت اور حسینؑ کی استقامت و شجاعت کی حجت منجانب خداوت عم ہو گئی اور شیطان کا منہ بند ہو گا۔

## شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی وکالت

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے والد شاہ ولی اللہ کی طرح جماعت اہل حکومت کے مشہور و کلام میں سے ہیں۔ آپ نے مذہب شیعہ کے خلاف ایک کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" لکھی۔ اس کتاب کے دسویں باب "در مطاعن خلفاء" میں حضرت عمرؓ کے مطاعن کے جواب میں طعن ۲ کا جواب بایں الفاظ لکھا ہے۔

طعن دوم یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکان سیدۃ النساء کا جلا دیا اور ان کے پہلو مبارک پر تلوار سے ایسا صدمہ پہنچایا کہ حمل ساقط ہوا۔  
 یہ قصہ بالکل واہمی اور ہمتان اور سراسر افتراء ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں۔ اسی واسطے اکثر امامیہ قائل اس قصے کے نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ قصہ مکان مبارک جلائے کا کیا تھا لیکن جلا یا نہیں ظاہر ہے کہ قصہ مورقہ قلبیہ سے ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اس سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ اور اگر مراد ان کی قصہ زبانی ڈرانا و دھمکانا ہے کہ جلا دوں گا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دھمکی اور ڈرانے سے ان لوگوں کا ڈرانا منظور تھا۔ کہ اہل خیانت نے آپ کے مکان کو امن و پناہ کی جگہ جان کر حکم حرم مکہ معظمہ کا دیا تھا۔ وہاں جمع ہو کر خلیفہ اول کی خلافت لوٹ پوٹ کرنے کے واسطے صلاحیں اور مشورے فرما لیں کرتے تھے اور فساد فتنے اٹھایا جاتے تھے۔ حضرت زہراؑ بھی ان کی نشست برخاست سے مکہ روزنا خوش محقق رہ لیکن بسبب کمال حسن خلق کے ظاہر ان سے نرمائی تھیں کہ ہمارے گھر میں آؤ۔ عمرؓ بن خطاب نے جب یہ حال دیکھا تو اس گروہ سے دھمکا کر کہا کہ میں اس گھر کو تم پر جلا دوں گا۔ کہ پھر نہ آنے جانے پاؤ۔ اور خصوصیت جلدی کی تہدید میں موافق حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور اسی سے متنبط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ اور امام کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا۔ کہ اگر یہ گروہ ترک نماز سے باز نہ آئے تو میں ان کا گھر ان پر چھونک دوں گا۔ اور چونکہ ابوبکرؓ بھی امام نماز مقرر کئے ہوئے حضرتؐ سے پیچھے تھے۔ اور وہ لوگ ان کی امامت یعنی کو ترک کرنا تجویز کرتے تھے اور رفاقت جماعت مسلمانوں کی اس امر میں نہیں کرتے تھے پس یہ قول حضرت عمرؓ کا بھی مشابہ قول پیغمبر کے ہے

صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا گیا کہ ابن اخطل جو شعرائے کفار سے تھا اور بارہا اپنے شعروں میں ہجو آپ کی لکھ کر اپنا منہ کالا کرتا رہا تھا خانہ کعبہ میں جا کر اس کے پردوں میں جہاں تجلی کا آشیانہ ہے چھپا ہے اس کے مقدمہ میں کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اس کو وہیں مار ڈالو اور کچھ پاس کسی بات کا نہ کرو اور جب ایسے مرد و دین جناب الہی کو خانہ خدا میں پناہ نہ ہو تو حضرت زہراؑ کے گھر میں کیوں پناہ ملنا چاہیئے؟ اور حضرت زہراؑ ایسے شہریروں مفسدوں کے سزا دینے سے کب مکدر ہوں گی کہ تخلیفو باخلاق اللہ خدا کے عادتوں کے موافق عادت اختیار کرو۔ آپ کی طینت پاک کا شیوہ تھا اس کے ساتھ ہی صحیح خبروں سے ثابت ہے کہ حضرت زہراؑ بھی ان لوگوں کو اس جاد سے منع کرتی تھیں۔

نیز قول حضرت عمرؓ کا اس موقع پر حضرت امیرؓ کے قتل سے بہت گھٹ کر ہے کہ جب بعد شہید ہونے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آپ کی خلافت بٹھری کہ جو لوگ کہ ارادہ یرہم کرنے اس منصب عظیم کا دل میں رکھتے تھے۔ مدینہ سے نکل کر مکہ کو دوڑے اور پناہ سایہ حرم محترم رسول یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہؓ میں داخل ہو کر دعویٰ قضا ص عثمانؓ کا ان کے قاتلوں سے کر کے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے تھے حضرت امیرؓ نے ان کو قتل کیا اور کچھ پاس حرم محترم رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور رعایت ادب اپنی ماں اور ام المومنینؓ کا جو بموجب نص قرآن کے ہے نہ فرمایا ہر چند جیسے کچھ ذلت و امانت اور آسیب و صدمہ حرم محترم رسول نے اٹھایا



انہر من الشمس سے اور واقعی حضرت امیرؓ نے جو کیا نہایت نیک اور خاص  
الخاص حق تھا کہ ایسے بڑے کاموں میں جس میں فتنہ اور فساد عام ہو جیڑی۔  
مصلحتوں کی رعایت کر کے اس کے مقدموں اور مبادی کو چھوڑ دینا اور تدارک  
نہ کرنا کمال ہے انتظامی امور دین و دنیا کی ہے پس جیسا کہ گھر حضرت زہراؓ کا  
واجب التعظیم اور احترام تھا۔ ام المؤمنینؓ اور حرم محترم رسولؐ اور زوجہ محبوبہ ان  
کی کہ محبوب الہی تھی یہ بھی واجب التعظیم و احترام تھا۔ بلکہ عمرؓ سے صرف  
قول اور تحریف واسطے ڈرانے دھمکانے کے دعوے میں آئی اور حضرت امیرؓ  
نے تو اس غلّ کو بھی حد و رجمہ کو پہنچایا پس اس مقام پر زبان طعن کی حضرت  
عمرؓ پر پڑھا دینا حالانکہ ان کا قول فعل حضرت امیرؓ سے بد رجھا گھٹا ہوا ہے سو اسے  
تعصب و عناد کے اور بنیاد اس کی کیا ہے ۱۱۔

اب اگر اہل سنت کے مقابلہ میں یہ فرق پیدا کیا جائے کہ خلافت امیرؓ  
کی حق تھی لہذا اسکا حفظ انتظام تو ضروری تھا اور پاس ام المؤمنینؓ اور تعظیم  
حرم رسولؐ کی سب ساقط ہو گئی لیکن خلافت ابو بکرؓ کی ناحق تھی عمرؓ نے اس  
خلافت فاسدہ کا پاس کیا اور اس کے حفظ انتظام کے واسطے حضرت زہراؓ  
بنبت رسولؐ کے گھر کا لحاظ نہ کیا کہ وہاں پر وبال ہے یہ سب ان کی نہایت  
بے عقلی و نادانی ہے اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک دونوں خلافتیں برابر ہیں۔  
دونوں کو حق جانتے ہیں۔ خصوصاً اس وقت طعن عمرؓ بن خطاب کی طرف  
متوجہ ہونا عمرؓ کے نزدیک جو خلافت ابو بکرؓ کی مقرر بحقیقت تھی یعنی الہی کا حق تھا  
اور اس وقت کوئی جھگڑا اور مخالفت کہ ابو بکرؓ کا ہم جنب یعنی برابر  
والا اور یہ اس کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے اور گنتی میں نہ لاتے ۱۲ بنیاد ایسی

خلافت مستطہ کی کہہ اول جو شمس اسلام کا تھا اور وقت نشو و نما نہال دین۔ اور  
ایمان کا برہم کرنا اور اسے فاسد سوچنا ضرر۔ موجب قتل و تعزیر نہ نہیں  
تو کم سے کم موجب ڈرانے دھمکانے کا تو ہے ۱۳۔

اور عجب یہ ہے کہ بعض فضلاء نے شیعہ نے اس طعن میں بطور ترقی کے ذکر  
کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھو پھی زاد بھائی زبیر بن عوام بھی  
مبغضہ ان جوانوں بنی ہاشم کے تھے جن کے ڈرانے دھمکانے کو حضرت عمرؓ نے  
یہ بات کہی تھی کہ بعد اس کے حضرت زہراؓ ان جوانوں بنی ہاشم اور حضرت  
زبیر کو جواب دیا کہ اب ہمارے گھر میں ایسی مجلس اور مجمع مت کرو اور  
سبحان اللہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ خلافت ابو بکرؓ میں اگر زبیر بن عوام تدبیر  
فساد ڈالنے کی کریں۔ تو محصوم واجب التعظیم ہوں اور حضرت عثمانؓ کے قصاص  
چاہئے میں اگر سخت بات منہ سے نکالیں تو واجب القتل اور تعزیر ہوں وہ  
اور جو حضرت زہراؓ کے گھر میں بیٹھ کر ایسے ارادے فساد اور صلاحیں فتنہ انگیزی  
کی کریں وہ تو واجب القبول ہوں اور جب حضور میں حرم محترم حضرت رسولؐ  
کی اور ہمراہ ان کے ہوں کہ بلاشبہ وہ ام المؤمنین ہیں دعوائے قصاص یا شکایت  
عثمانؓ کے قاتلوں کی زبان پر لایں تو وہ واجب الرد اور ازالہ ہوں حد ۱۴۔

پس یہ فرق تو مبنی بر اصول شیعہ ہے اور اگر چاہیں کہ اہل سنت کما حقہ طریق  
پر الزام دین تو کیوں اتنی دو دوڑتے پھریں۔ بس ایک بات کافی ہے کہ جب  
کہ کج رجحان پر کہ سنت ہو کہ وہ ہے اور فائدہ اس کا فقط اسی کے واسطے ہے جس پر  
یہ تکلیف شرعی ہے اور اس کے ترک سے مسلمانوں کو کچھ ضرر نہیں آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدید ان کے گھر جلانے کی فرمائی ہو تو ان گھروں کو

حوائج میں کہ جن میں ایسے مفسدے برپا ہوں جن کا شر تمام مسلمانوں بلکہ تمام  
دین کو پہنچے دھمکی دینا کیوں جائز نہ ہوگی ص ۱۰۔ اور جب یہ معجزہ صلی اللہ علیہ وسلم  
بسبب ہونے پر وہ متقش اور تصویروں کے گھر میں حضرت زہرا کے نہ گھسے  
جب تک وہ دور نہ کر دی جائیں بلکہ خانہ خدا میں نہ جائیں جب تک کہ صوتیں  
حضرت ابراہیم اور اسمعیل کے دہاں سے نہ نکال ڈالی جائیں۔ اگر عمر بن خطاب  
بھی بسبب ہونے مفسدوں کے اس خانہ کرامت آستانہ میں جہاں  
فتنہ انجیز تدبیروں کا وقوع معلوم ہوتا تھا وہاں کے لوگوں کو گھر چھوڑ کر دینے  
کی دھمکی دیں تو کیا گناہ ان کے ذمہ عائد ہوتا ہے ص ۱۱ حدیث کہ مراعات ادب  
مقتضی ایسی دھمکی کی نہ تھی ص ۱۲ لیکن معلوم ہوا کہ رعایت ادب کی ایسے بڑے  
کاموں میں کوئی نہیں کرتا بدلیل فعل حضرت امیر ثناء عالیہ صدیق کہ بے  
شبهہ زوجہ محبوبہ رسول اور ماں تمام مسلمانوں کی اور واجب التعمیم محقق۔  
پس جو بات حضرت عمر سے مطابق فعل معصوم کے وقوع میں آئی۔  
تو محل طعن و تشیہ کیوں ہو؟ ص ۲۰۔

در تحفہ اثنا عشریہ اردو ص ۶۰۵ تا ص ۶۰۸

### ہمارا جوابی تبصرہ

اہل جماعت حکومت کے دلائل میں ہمیشہ حجت کا فقدان پایا گیا ہے  
اہل علم حضرات کو اس امر سے کامل واقفیت ہے کہ فضلاء اہل سنت و جماعت  
کسی بھی موضوع پر پایہ ثبات پر نہیں بھڑکتے۔ ہمیشہ دورخی  
یا ایسی اختیار کرتے ہیں۔ اور نفس مضمون میں اس قدر الجھ جاتے ہیں۔  
کہ ان کو کوئی خیر نہیں رہتی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اسی کو کھلا ہٹ سنان

کا حلیہ فائدہ اٹھاتا ہے اور میدان میں فتح یا پ ہوتا ہے اب  
شاہ جی صاحب کا بیان صفائی بعینہ آپ کے سامنے موجود ہے صاحبان  
فہم اس مجموعہ تضاد بیانی کو پسلی ہی نگاہ میں بھانپ گئے ہوں گے۔ فن  
عدالت و وکالت سے وابستہ اشخاص کو شاہ جی کی قابلیت و لیاقت سے  
بخوبی شناسائی ہو چکی ہوگی۔ اندھیرے کہ ایک طرف تو شاہ صاحب  
نے آتے کے ساتھ ہی اس واقعہ کے انعقاد کا انکار کر دیا اور فوراً بعد اپنی  
بات سے پھر گئے ہیں۔ اور اس طعن کو حکومت کا راست اقدام بمطابق  
سنت رسول اور جائز و بر محل کارروائی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا  
زور صرف کر دیا ہے۔ ہمیں ہمیشہ سے ہی شکایت رہی ہے کہ ہمارے بزرگ  
بھائیو! ایک تہہ پر اٹل ہو جاؤ۔ دو غشی چالیں نہ چلا کر و یقین محکم کے ساتھ کوئی  
فیصلہ کیا کرو اور جو بھی دلیل وضع کرو اس پر قائم رہو بات بات سے نہیں  
پھرا کرو۔ یا تو اپنے ان الفاظ کا پاس کرو اور صاف انکار کر دو یہ واقعہ  
قصہ اصراق خانہ قبول سر سے ہوا ہی نہیں ہے جیسا کہ شروع بات  
ہی آپ نے یہ کہی ہے کہ۔

یہ قصہ بالکل واہی اور بہتان اور سرا سر افتراء ہے اس کی کچھ اصل نہیں۔  
ممکن اسی واہیات اور بے اصل قصہ رزمع شملہ کو آپ بعد میں  
سنت موکدہ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اسے بمطابق عمل رسول ثابت  
کرنے کے لئے یہ قول رہے ہیں۔ اور اسے مبنی برحق قرار دینے کے لئے  
تمام تر زور صرف کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ صاف انکار پر قائم رہیں۔ تو  
آپ کے مذہب کا تھوڑا بہت بھرم قائم رہ جائے کیونکہ اس شکل میں  
آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بہتان ہے سرا سر افتراء ہے حضرت ابو بکر یا حضرت



لے کر گئے اسی طرح انتظام سر و سامان کر کے خانہ بتول کو خاکستر کرنے کی نیت سے آئے۔ صدمہ اسقاط حمل اس وقت کا موضوع بحث نہیں ہے۔ پھر  
قصداً امور قلبیہ سے ہے۔

واقعہ ارادہ اصرار خانہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کو افترا و بہتان اور  
 فتنہ و ابی قرار دینے کے بعد اصولاً شاہ صاحب کے ذمہ یہ باقی نہیں رہ جاتا  
 ہے اس اقدام کو جائز ثابت کریں۔ لیکن چونکہ اس کا انکار محض زبان سے کر دینا  
 کافی نہیں۔ لہذا مجبوراً شاہ صاحب پر اپنے مدد و روح کی صفائی پیش کرنا ضروری  
 ہو گیا۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے محض قصداً ہی کیا جیسا کہ تحریر  
 کرتے ہیں۔

”قصداً امور قلبیہ سے ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اس سے کوئی واقف  
 نہیں ہوتا۔“

ہم کہتے ہیں کہ بلا شک و شبہ دلوں کے حال اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن  
 عنوانات، پیدا شدہ نتائج، برآمدہ حالات اور عمل کا رد عمل ایسے محرکات  
 ہوتے ہیں۔ جو معاملہ کی تہ تک پہنچاتے ہیں خصوصاً امداد کرتے ہیں۔ اور  
 دلوں کے پوشیدہ رازوں کے افشاں کر دینے میں اکثر معاون ہوتے  
 ہیں۔ لہذا جب ہم دسوز واقعہ قصداً اصرار خانہ بنت رسولؐ کے پس منظر  
 اور آئندہ واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر  
 نہیں آتا ہے کہ یہ کارروائی سخت بدینتی پر مبنی تھی۔ اور لاکھ دلائل پر مبنی  
 دلیل فاعل کی وہ قسم خدا ہے جو اس نے کھائی جس پر ہم کافی حد تک اپنے

عمر نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے محض شیعوں کا خود ساختہ طعن ہے لیکن  
 آپؐ بھی کیا کریں قدرت نے ایسے بند و بست سے آپؐ کو جکڑا رکھا ہے کہ  
 حد نظر اٹھاتے ہیں۔ گڑھے ہی گڑھے ہیں۔ اگر انکار کرتے ہیں تو تاریخ  
 وحدیث کی تکذیب ہوتی ہے اگر اقرار کرتے ہیں۔ واقعہ اس نوعیت کا ہے۔  
 کہ اس کو قبول کر لینے میں آپؐ کو اپنی خیر نظر نہیں آتی ہے لہذا فتنہ میں  
 پھنس کر کبھی اس قصہ کو لغو و بے ہودہ قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی سنت  
 رسولؐ کا اتباع۔ اگر یہ وہی ہے تو مطابق سنت کیسے ہوا؟ اور اگر مطابق  
 سنت ہے پھر آپؐ خوفزدہ کیوں ہوتے ہیں۔ کاہے کو کہتے ہیں یہ بہتان  
 اور سراسر افترا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے سنت کا اتباع و امتیام  
 تو ایک مستحق فعل ہے اس قابل ستائش عمل کو مناقب میں لیجئے اور بے  
 وھڑک اس کی تبلیغ کیجئے۔ مگر معاملہ آپؐ کے ہاں بالکل الٹا ہے کہ ایک  
 مسنون فعل کو خواہ مخواہ آپؐ قصہ و ابی قرار دیکر خدا اور رسولؐ کی توہین  
 کرنے کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ (بزعم شما)

خیال یہ بات تو آپؐ کے سوچنے کی ہے۔ ہم تو تیار ہیں جو داؤ  
 آپؐ آزمائیں گے مولائے مشکل کشا کی استمداد سے اس کا توڑ کریں گے۔  
 اور نعرہ حمید ربیؐ کی برکت سے کامران ہوں گے۔ ایک غلط فہمی کو دور  
 کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم شیعوں کی اکثریت اس بات پر متفق ہے۔  
 اور یہ فیصلہ محقق ہے کہ سیدہ طاہرہؓ کے گھر کو تندر آتش کرنے کا ارادہ ہوا  
 تھا۔ اور گھر کو آگ نہیں لگائی گئی تھی۔ لہذا ہمارا طعن محض یہی ہے۔ کہ  
 جناب عمر صاحب جن طرح ارادہ قتل رسولؐ کے لئے رہنہ تلوار ہاتھ میں



خیالات کا اظہار گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔

مسک اہل سنت کے مطابق حضرت عمر کا تقدس قریب قریب ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم شیعہ کسی امام معصوم کی عصمت کے قائل ہیں۔ کوئی سنی المذہب شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا ہے کہ حضرت عمر اپنی قسم میں جھوٹ ہو سکتے تھے یقیناً ان کا قسم کھانا اس بات کا کھٹوس ثبوت ہے کہ وہ اپنی قسم کو ضرور پورا کرنے کا پکا ارادہ رکھتے تھے۔

### زبانی ڈرانا مقصود تھا

جب قصہ مصمم سے انکار بن نہیں پڑتا ہے تو ناشدگان جماعت حکومت یہ قیاس پیش کرتے ہیں کہ ارادہ واقعی ایسا ہی تھا مگر اس سے مراد محض دھمکانا تھا جیسا کہ شاہ جی کہتے ہیں۔

”اگر مراد ان کی قصہ سے زبانی ڈرانا دھمکانا ہے کہ جلا دوں گا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دھمکی اور ڈرانے سے ان لوگوں کا ڈرانا منظور تھا۔ ہم اس مفروضہ کو یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ اگر یہ محض زبانی دھمکی تھی تو پھر اس کو عملی انتہا میں ظاہر نہ ہونا چاہیئے تھا۔ صرف زبانی کلامی سخت گفتگو تک بات ٹل جاتی مگر افسوس یہ ہے کہ لکڑیوں کا جمع کر کے لانا اور سامان آتش کا بندوبست کرنا اس بات کا حتمی ثبوت ہے کہ ارادہ مضبوط تھا یہ محض اتفاق تھا کہ لوگوں کی غیرت نے توہین خانہ اظہار کو برداشت نہ کیا۔ اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر گھر سے باہر گئے لہذا جب فاعل مذکور کا مقصد پورا ہو گیا تو وہ اپنے اس ارادہ سے باز رہا۔

دلیس لوٹ آیا۔ اگر لوگ باہر نہ آتے اور حالات میں مزید تلخی پیدا ہو جاتی تو یہ یقینی تھا کہ حضرت عمر مکان کو آگ لگا دیتے کیونکہ وہ قسم کھائے ہوئے تھے۔ پھر یہ کہ اگر بعد میں کسی واقعہ سے کسی بھی معتبر تاریخ سے کسی مصدقہ و موثقہ روایت سے حضرت عمر یا حضرت ابو بکر کی زبان سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ دھمکی محض خوف دلانے کے لئے تھی تو ہم اس عند کو قبول کر لیں گے حالانکہ ایسی کوئی بات کتابوں میں موجود نہیں سوئے اظہار معذرت کے

### اہل بیت، اہل خیانت

جماعت اہل حکومت کے وکیل جھوٹ کو سچ بنانے کی تگ و دو میں اس قدر مدہوش ہو جاتے ہیں کہ انہیں کچھ سمجھائی نہیں دیتا۔ شیعہ دشمنی بغض آل رسول اور مذہبی تعصب کے باعث وہ ایسی ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں یا کہہ دیتے ہیں جو خود ان کے اختیار کردہ مذہبی عقائد کے خلاف صواعق محرقة ہوتی ہیں۔ ایسی ہی ایک حبارت جماعت سنیہ کے نامور محدث اور شاہ ولی اللہ جیسے بزرگ کے فرزند ارجمند عبدالعزیز دہلوی نے کی ہے اس اقتباس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ناموس صحابہ اور توقیر اہل بیت کا جو ڈھنڈورا صدیوں سے اہل سنت پر بٹتے چلے آ رہے ہیں۔ شاہ جی نے اس ڈھول کو اپنی ایک ہی ضرب کاری سے کس طرح بھاڑ دیا۔ بے شاہ صاحب رقم طرز ہیں کہ۔

”اہل خیانت نے آپ رفاطمہ کے مکان کو امن و پناہ کی جگہ جان کر حکم حرم مکہ معظمہ کا دیا تھا۔“

واضح ہو کہ جو مذہب تمام اصحاب رسول کے عادل ہونے کا پرچار کرتا ہے اور آل رسول کو محبوب و معزز ملنے کا دعویٰ کرے اسی مذہب کا ایک ذمہ دار محدث اُن صحابہ کو اور تمام بنی ہاشم و اہلبیت کے افراد کو اہل خیانت قرار دیکر اپنے مذہب کے تابوت میں آخری کیل بھونک رہا ہے وہ افراد جن میں حضرت زبیر بن عوام، حضرت علی علیہ السلام سیدہ فاطمہ طاہرہ سلام اللہ علیہا اور خاندان نبوی کے تمام افراد شامل تھے۔ شاہ عبدالعزیز ان سب کو اہل خیانت کہہ کر حضرت عمر کی مدح سرائی میں اپنی دیانت داری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ پھر بھی ہم سے شکوہ ہے کہ ہم ناموس صحابہ سے نابلد ہیں۔ غامض۔

خانہ فاطمہ کو امن و پناہ کا مکان اور مقام نجات تو خود خدا و رسول نے مقرر فرمایا ہے اور آپ رعب العزیز خود اقرار کرتے ہیں کہ حضور نے امت کو ثقیلین قرآن و اہل بیت کے حوالے کیا تو اگر فرمودہ رسول مکان کو جانے امن و پناہ بنانا ہی خیانت ہے تو یہ خیانت تو خود رسول امین نے سبق دی ہے۔ لہذا البیہوی الزام بالواسطہ حضور پر بھی قائم فرمانے کی جرأت کا فرائز کر لیجئے۔ ہمیں نہ ہی آپ سے کوئی گلہ ہے اور نہ ہی شکوہ آپ اندھی عقیدت اور بے نور تعصب کا شکار ہو چکے ہیں لہذا یہ قدرت خداوندی ہے کہ وہ آپ کو اپنے کھوئے ہوئے گڑھوں میں گراتا ہے۔

آپ کے تحریر کردہ ایک ہی جملہ سے آپ کے پورے مذہب کا پردہ چاک ہو جاتا ہے کہ نہ ہی آپ کو عدالت صحابہ اور ناموس درستان رسول سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہی اہل بیت سے کوئی واسطہ و تعلق ہے۔ بلکہ دونوں

ہی آپ کے نزدیک اہل خیانت ہیں۔ آپ کے مذہب میں جو کچھ بھی سرسایہ ہے اس کے سارے ٹھوٹے سکے صرف راد و صرف حضرات ابوبکر و عمر وغیرہما سکے تزانوں سے اکٹھے کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے محبت محض وقتی مصلحت کے تقاضا کے طور پر بطور لغو ہے۔ اور اہل پاک سے عقیدت صرف خود کے لئے ایک سیاسی حربہ ہے۔ وہ اصل آپ کا مذہب صرف محبت شیخان ہے اُن کا ہر فعل آپ کے لئے حجت ہے خواہ وہ بمطابق سنت ہو یا خلاف علی رسول ہو۔ ان کے اعمال کو آپ نے ہر طریقہ پر بجا نہیں خواہ اس کوشش میں انسانیت کے گریبان جاک کر دینے پڑیں۔ میزان عدالت کے پلے توڑ دینے پڑیں اور اخلاقیات کی دھجیاں اُٹا دینا پڑ جائے۔ شاید یہی وجہ ہے آپ "عدل" کو اصول ماننے سے کتراتے ہیں۔ تاکہ من ملنے طریقے اختیار کر کے آپ قبیح افعال اور شنیع اعمال کو جائزہ صالحیت پہناسکیں۔ مگر آپ کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے حق و باطل اور نیکی و بدی میں امتیاز کو ظاہر کر دیا ہے۔ اللہ کی محنتوں نے اپنے اثباتوں اور قریبانیوں سے ہدایت کے ایسے چراغ روشن کر دیئے ہیں جن کو آپ کی چھونچیں کبھی لگی نہیں کر سکتی ہیں بلکہ اس کوشش میں آپ ہی کے منہ جل کر رو سیاہ ہوں گے۔

### حکومت کے خلاف فساد انیگریز مشورے

بقول شاہ صاحب اہل خیانت یعنی اصحاب رسول اور اہل بیت نے یہ خیانت کی تھی کہ وہ حضرت ابوبکر کی حکومت کے خلاف مشورے اور صلاحیں

کرتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں کہ۔

”وہاں جمع ہو کر خلیفہ اول کی خلافت لوٹ پوٹ کرنے کے واسطے صلاحیں اور مشورے فسادانگیز کرتے تھے۔ اور فساد فتنے اٹھایا جاتے تھے۔“

میں کہتا ہوں کہ اگر واقعی ایسا تھا تو پھر سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ اجتماع خلافت اول کے انعقاد کو باطل قرار دیتا ہے۔ کیونکہ مسلک سنیہ کے مطابق خلافت ابو بکر کا نام نہاد اجتماع کا عدم قرار پاجاتا ہے جیسا کہ فقہ جنتی کی مشہور کتاب بشرح کتاب ارو و ص ۲۲ پر لکھا ہے کہ۔

”ایک شخص کا مخالفت ہونا بھی ماننے انعقاد اجتماع ہے (بشرح وقایہ ارو و ص ۲۲) اسی طرح ابن تیمیہ نے کتاب الایمان میں تسلیم کیا ہے کہ جس اجتماع میں مومنین میں سے کوئی ایک شخص بھی مخالفت نہ ہو تو وہ (اجماع قطعاً حق ہے) کتاب الایمان ص ۵۱) اسی طرح علامہ ابن حزم لکھتے ہیں کہ۔

”ہر اس اجتماع پر اللہ کی لعنت ہے جس سے علی ابن ابی طالب اور ان کے ساتھی صحابی باہر ہوں۔“

(المحلی سفر خامس و سابع مسئلہ نسخ القرعہ ص ۲۸۶)

علاوہ ازیں ملا معین لاہوری کا فتویٰ ہے کہ۔

”اہل بیت کی مخالفت موجود ہو تو کوئی اجتماع نہیں (دراسات

اللبیب ص ۲۹۹)

پس چونکہ اجتماع انعقاد خلافت ابو بکر میں ایک جماعت صحابہ کی اور خاندان نبی ہاشم و اہل بیت رسول کی مخالفت بقول شما ثابت ہو رہی ہے

لہذا آپ کے خلیفہ اول کی خلافت غیر اجماعی اور باطل قرار پائی۔ پس امر باطل کے خلاف عادل افراد کی سعی نہی عن المنکر کے شرعی حکم میں داخل ہوئی اور جہاد قرار پائی۔ نہ کہ فساد۔ اب چونکہ یہ مشورے ایک غاصب حکومت کے خلاف تھے اس لئے ان صلاح و مشوروں کو فتنہ کی سرکوبی کی کوشش کہا جائے گا۔ جب تک خلیفہ صاحب کی خلافت مبنی بر عدل ثابت نہ ہو جائے۔ رجو رہنمائے اصول سینہ ممکن نہیں کیونکہ اہل بیت کے بغیر اجتماع صحیح نہیں ہوتا) اس وقت تک کسی مخالفت پر فساد یا فتنے کا الزام قوانین اسلامیہ کے مطابق عاید نہیں کیا جاسکتا ہے ہاں اگر خلافت زیر بحث حقیقتاً اجماعی ہوتی ہے تو پھر مسلک سنیہ کے بموجب ایسے افراد قابل تعزیر ہوتے جو اس اجماعی خلیفہ کے خلاف مجلس مشاورت منعقد کرتے جبکہ ایسا ہگز نہ ہوا۔ بلکہ صحیح صورت اس طرح ہے کہ ایک غاصب حکمران کی خلاف اجتماع جماعت پر طاقت کا غلط استعمال کیا گیا اور نبرد شمشیر ان کی آزادی رائے کو دبا کر اپنا مہنوا بنانے کی کوشش کی گئی۔ بالفاظ دیگر آمیت و استبدادیت کی ہندوئی کی گولی شہ رگ پر پھر کر اپنی اطاعت کا پیر و نہ لکھوانا چاہا۔

مندرجہ صدر بحث مذہبی و فقہی بنیادوں پر ہے۔ اب دوسری جہت سے دیکھتے کہ سازش و حکومت کے خلاف کارروائیاں ہمیشہ خفیہ کی جاتی ہیں جس طرح کہ مخدوڑی و رقبہ لوگوں نے مدینہ سے دور جا کر ایک تکیہ بنی ساعدہ میں حکومت کی باگ ڈور پھانسنے کا اہتمام کر لیا۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ ایسی سکیمیں علانیہ بنائی جائیں۔ فاطمہ زہرا کا گھر مسجد ہی میں تھا اور وہی مسجد اس وقت کا شاہکار بار سمجھی جاتی تھی۔ لہذا سوچنا پڑے گا کہ کیا



ایسی جگہ سازش کے لئے موزوں بھی تھی یا نہ!

دوم یہ کہ اگر وہ لوگ خلافت کا تختہ الٹنے کی تدبیریں بنا رہے تھے اور فساد و شراکیزمی پر کارنا چاہتے تھے تو کیا حکومت وقت کے پاس ایسا کافی مواد موجود تھا۔ جویہ بات ثابت کر سکے۔ اگر حکومت کی خبر رسائی معتبر تھی اور ان کے پاس ٹھوس اثبات اس بغاوت کے تھے تو پھر جواب دیا جائے کہ اس جماعت پر باغیانہ سرگرمیوں کا الزام عاید کر کے مقدمہ کیوں نہ چلایا گیا اور ان میں سے بعض کو بیعت لینے پر بری کیوں کر دیا گیا۔ بغاوت کی تفصیلات کی آگاہی درکار ہے۔

اور اگر بات صرف اتنا تھی کہ ان بیچاروں نے حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تو یہ ان کا جمہوری و دستوری حق تھا۔ آپ آئین اسلام یا کسی اور ضابطہ قانون کے تحت کسی سے جبری بیعت کا مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں جبکہ مطالبہ کرنا تو درکنار آپ نے گھر کو چھونک دینے کی ٹھانی۔

### حضرت فاطمہؑ ان اجتماعات سے ناخوش تھیں

شاہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہؑ الزہراء صلوٰۃ اللہ علیہا ان اجتماعات پر ناخوش تھی جو ان کے گھر میں منعقد ہوئے۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ:-

”حضرت زہراؑ بھی ان کی نشست پر خاست سے مکدر و ناخوش تھیں“ ہم یہاں صرف اتنی بات دریاخت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا حکومت وقت کو بھی یہ معلوم تھا کہ بی بی پاک کی دل مرضی کے خلاف یہ اجتماعات ہوتے ہیں۔

اگر حکومت یہ جانتی تھی کہ مالک مکان بے قصور ہیں اور یہ محض ان کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتے ہیں تو پھر حکومت پر یہ جبرم قصد اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے کہ ایسے گھر کو جلانے کی دھمکی دی گئی جس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں۔ کہ اس کے مکین حکومت کے وفادار ہیں۔ بے گناہ ہیں۔ ایسے گھر کو چھونکے کا سامان کرنا بالکل بے مقصد تھا۔ محض معمولی سا تشدد کافی ہوتا نہ لکڑیاں جمع کرنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی خدا کی قسم کھانے کی۔ دبدبہ عمر یہ کافی ہو سکتا تھا۔ اور گھی سیدھی انگلی سے نکل سکتا تھا۔

### سیدہ نے اخلاقاً لوگوں کو نہ روکا

شاہ جی کا یہ بھی خیال خام ہے کہ سیدہ زہراؑ نے اخلاقاً یہ گوارہ نہ فرمایا کہ لوگوں پر اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

”لیکن بسبب حسن خلق کے ظاہران سے نہیں فرماتی تھیں کہ ہمارے گھر مت آؤ“

میرا جواب یہ ہے کہ جو فعل اس قدر ضروری و اہم ہو کہ اس کے لئے تحلیف ضروری ہو اور نوبت دھمکی اصرار تک بھی اگر آجائے تو مستحق ہو تو ایسے مقتدر امر پر سیدہ کی اخلاقی خاموشی کا جواز تلاش کرنا بے وقعت محض ہے اگر سیدہؑ خلافت سقیفہ سے متفق تھیں۔ اور حضرت ابو بکرؓ کو جائز امام سمجھتی تھیں تو ان کا یہ سکوت قابل اعتراض ہوگا۔ معاذ اللہ یہ فعل معصومہ خلاف حق ہوگا۔ اور امر باطل کی پشت پناہی کے مترادف قرار پائے گا۔ کیونکہ امر باطل پر خاموش رہنا اور اصلاح نہ کرنا شرعاً مذموم ہے اور حکم قرآن امر بالمعروف اور

بہنئی المنکر کے سراسر منافی ہے جبکہ کسی قسم کا خطرہ بھی موجود نہیں ہے۔ اب یا تو اس مفروضہ کی بنیاد پر سیدہ کی اس خاموشی کو شریعت کے خلاف ایک گناہ تصور کیجئے۔ یا پھر حضرت ابوبکر کی خلافت کو امر حق تسلیم کرنے کو بلا جواز مان لیجئے۔ اگر اول ذکر سبق قابل قبول ہے تو براہ مہربانی کسی معتبر کتاب سے باس و صحیح ثابت کیجئے۔ کہ حضرت سیدہ نے کوئی ایسا ارشاد فرمایا ہوگا کہ مجھے یہ حاضری پسند نہ تھی۔ اور میں حضرت ابوبکر کی خلافت کو صحیح سمجھتی تھی۔ نیز یہ بھی سمجھا دیجئے۔ کہ اگر سیدہ فاطمہ کی مرضی کے خلاف لوگ جمع ہوتے تھے۔ اور وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پر راضی تھیں تو پھر محض بناوٹی دھمکی پر آپ غضبناک کیوں ہو گئیں۔ آپ نے کیوں فرمایا کہ میں ہر نماز کے بعد بڑھاکروں گی۔ اور جب شیخین رسیدہ میں کوئی نزاع و اختلاف ہی نہ تھا تو پھر خلیفین نے معافی مانگنے کے لئے حاضری کیوں دی اور یہ کیوں ظاہر نہ کر دیا کہ یہ محض جھوٹ موٹ کا ڈراوا تھا۔

اور اگر بالفرض خیال شق روم منظور ہو جائے تو نوہ یا علی بلند کر کے غاصب حکومت سے میری طرح بیزاری اختیار کر لیجئے کہ یہی مسلک سیدہ ہے۔

## حضرت عمرؓ نے اس گروہ کو دھمکا کر کہا تھا

شاہ جی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ حال دیکھا کہ سیدہ بھی ان اجتماعات پر دلی طور پر راضی نہیں ہیں۔ تو انہوں نے عمرؓ نے ان لوگوں کو محض دھمکی دی چنانچہ لکھتے ہیں۔

”عمر بن خطابؓ نے جب یہ حال دیکھا تو اس گروہ سے دھمکا کر کہا کہ میں اس گھر کو تم پر جلا دوں گا کہ پھر نہ آنے جانے پاؤ، ہم کہتے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے اگر محض اتنی بات ہوتی تو شاید ہماری حیرت کا سامان نہ بنتی مگر انوس یہ ہے کہ تاریخ میں وہ گستاخانہ گفتگو بھی محفوظ ہے جو حضرت عمرؓ اور سیدہ طاہرہ کے درمیان ہوئی اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں اس گھر کو پھونک دوں گا۔ جبکہ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں تو فاطمہؓ بھی ہیں تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہوتی ہیں تو ہوتی رہیں۔ مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود سیدہ نے فرمایا کہ اے ابن خطابؓ تو میرے گھر کو جلا دے گا۔ تو حضرت عمرؓ نے بڑی نخوت سے جواب دیا کہ ہاں جب پر واقعہ زیر مطالعہ آتا ہے تو کوئی بچہ بھی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ محض مصنوعی دھمکی تھی جبکہ خطابؓ براہ راست سیدہ سے بھی ہے۔

شاہ جی سے تو میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اگر سیدہ اس واقعہ میں کردار نہیں ہیں اور یہ دھمکی ان سے متعلق نہیں تو خدا کے لئے مجھے اتنا بتنا دیجئے کہ آپ کو جنگ جمل میں باہی عات کی کہانی کیوں یاد آگئی ہے اور آپ نے اپنے قلم کا زور بیکار کیوں لگایا ہے۔

پھر یہ کہ جو فقرہ شاہ صاحب نے حضرت عمرؓ سے منسوب کیا ہے یہ فقرہ روایت لفظی یا روایت معنوی کسی بھی طرز پر کسی معتبر تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ یہ صرف شاہ صاحب کا اپنا خیال ہے جو حجت نہیں ہو سکتا۔ تاریخی حقائق محض غلط بنیادوں پر نہیں بدلے جاسکتے ہیں۔ اگر اپنے خیالات کے سانچے میں تاریخی واقعات کو ڈھال لیا جائے تو پھر فن تاریخ نویسی خیر

اول جوابی گزارش یہ ہے کہ حبیب حضرت عمرؓ کا یہ فعل بمطابق فعل رسولؐ ہے اور قول عمرؓ مثل قول پیغمبرؐ ہے تو پھر آپؐ نے اسے "واہی" "بہتان" "سراسر افتراء" "کچھ اصل نہیں" کہہ کر کیوں ٹھکرا دیا۔ کیا سنت رسولؐ کا اعزاز ایسے الفاظ کا متحمل ہو سکتا ہے! اگر جرح سما یہ سنت کی پیروی فعلی تو پھر آخر سنت رسولؐ کی اتباع کرنے کو آپؐ نے مذموم معنی الفاظ سے کیوں بے اصل وادہیات قرار دیا اور عمل حسن کو فعل قبیح کیوں بنا دیا۔

اب دوسری طرف آئیے کہ کیا آپؐ کی وضع کردہ مماثلت کچھ اصل بھی رکھتی ہے یا محض دنیا کو فریب دینے کی خاطر آپؐ نے محض اپنے مدوح کی حفاظت کے لئے یہ بہتان تلاش لینے میں اپنا عیلا خیال کیا ہے تو ہماری عرض یہ ہے کہ نماز فرع دین ہے اور ارکان اسلام میں داخل ہے افضل العبادات ہے۔ اور دین کاستون ہے بلکہ درحقیقت تنظیم اسلام نماز ہی سے وابستہ و پیوستہ ہے اور حکم شریعت کے مطابق والدین کو نابالغ و کم سمجھ اولاد تک پر اس کے قیام کی خاطر سخت کرنا اور دباؤ ڈالنا جائز ہے لہذا ایسے عملی عقائد رکے لینے اگر حضرتؐ آئے لوگوں کو تخویف سے ترک نماز سے روکا تو یہ عمل نہ ہی قابل اعتراض ہے اور نہ ہی مذموم کیوں کہ آنحضرتؐ نے نہ ہی قسم کھائی اور نہ ہی آگ لگائی کا سامان اکٹھا کر کے کسی کے گھر پہنچے حضورؐ کے اس عمل سے صرف رات استدلال لیا جاسکتا ہے کہ فرائض واجبات کی پابندی کرانے کے لئے ڈرانا دھمکا حبانہ ہو گا۔ اور اس بات پر پوری ملت اسلامیہ کا اتفاق ہے یہی قرآنی قیلم کا طریقہ ہے کہ بد اعمالی پر جہنم کا خوف دلایا گیا ہے اور نیک عمل پر جنت کا انعام دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

معتبر قرار پا جاتا ہے اور ہر کوئی اپنے اپنے عقائد کے مطابق حالات بنا کر اپنے اپنے نظریات دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے اور خود ساختہ یا تفسیسی توضیحات کے ذریعے اپنے مطالب ثابت کر سکتا ہے۔

پس چونکہ وکیل صاحب کی بنیاد ہی محض ظنی ہے اس لئے اس پر مزید بحث فضول ہے اور جب تک اس کی حمایت میں کوئی مستند شہادت پیش نہ کی جائے یہ دلیل قابل قبول نہیں ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایسی دھکی دھکی لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے دی حالانکہ تاریخی شواہد اس کے خلاف ہیں۔

### تہدید اصرارِ موافقِ حیرت سے

قابل افسوس امر یہ ہے کہ ایک طرف شاہ صاحب اس واقعہ کو ادہیات بنارہے ہیں تو دوسری طرف اسی امر واپس کو حدیث پیغمبرؐ سے مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ

"اور خصوصیت جلالہ نے کی تہدید میں موافق حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور اس سے مستنبط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو جماعت میں حاضر نہ ہوتے تھے، اور امام کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے، ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر یہ گروہ ترک نماز سے باز نہ آئے تو انکا ان پر چھونک دوں گا۔ اور چونکہ ابو بکرؓ بھی امام نماز مقرر کیے ہوئے حضرت پیغمبرؐ کے اور وہ لوگ ان کی امامت بحق کو ترک کرنا تجویز کرتے تھے اور رفاقت جماعت مسلمانوں کی اس امر میں نہیں کرتے تھے پس یہ قول حضرت عمرؓ کا بھی مشابہ قول پیغمبرؐ کے ہے صلی اللہ علیہ وسلم"



لیکن اس واقعہ کی آڑے کر کوئی بھی دانش مند شخص اس بات سے اتفاق نہ کرے گا کہ ایک جابر حکمران اپنی اطاعت منوانے کی خاطر لوگوں کے گھر آتش گیر مادے لے کر پہنچ جائے اور کہنا شروع کر دے کہ ہماری حکومت مان جاؤ ورنہ گھر کو آگ لگا دی جائے گی اگر حکومت کسی رکن اسلام کی خاطر ایسی کارروائی کر لیتی تو بات دوسری ہوتی مگر پھر بھی ایسی دھمکی محض تحریف تک رہنا چاہیئے اس میں مصمم ارادہ اور سامان سے ایسی کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔ آج تک کسی شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ متخلفین بیعت سقیفہ نے کسی اسلامی فرض میں کوتاہی کی تھی لہذا اس وجہ سے بیعت قبول پر آگ روشن کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی حضرت ابوبکر کی بیعت خود حضرت عمر کے قول کے مطابق ایک شرعاً جس کے فتنہ سے اللہ نے محفوظ رکھا اس بیعت کی قیاحت کے لئے حضرت عمر کا یہ فرمان کافی ہے کہ اگر آئندہ کوئی ایسے کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے پس جب یہ علی ایہ ناپسندیدہ و ناجائز ہو کہ خود اس کے عامل اس کے اعادہ پر جان تلخی کا حکم دیں۔ اسے نماز جیسے عماد الدین کلمہ سے کوئی مماثلت نہیں ہو سکتی ہے جب موقع محل و مقام اور نفس مصنوع ہی میں مماثلت نہ ہو تو ایسی مثال کبھی مدلی قرار نہیں پاسکتی ہے۔ حضور کا دھمکانا امر خیر کے لیے تھا اور حضرات عموماً کے یہ کارروائی اس کے اپنے اقرار کے مطابق ہوتے امر باطل کے موجبے شر اور مصلیٰ ناجائز کے لیے تھے پس دونوں واقعات میں اتنا فرق ہے کہ جتنا حق و باطل میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کا امام نماز مقرر ہونا متنازعہ مسئلہ اس موضوع میں ہم اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے البتہ شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ لوگوں

نے ان کی امامت سختی کو ترک کرنے کی تجویزیں کیں کسی مستند حوالہ سے ثابت نہیں ہے کہ اس گروہ نے نماز باجماعت ادا کرنے کا انکار کیا ہو۔ اگر کوئی بھی شخص کسی معتبر کتاب سے باسناد صحیحہ ثقت رواد کے ساتھ ایسا ثبوت فراہم کرے کہ سیدہ کے گھر میں جمع ہونے والے افراد صحابہ بنی ہاشم والی رسول نے نماز باجماعت ترک کر دی یا حضرت ابوبکر و عمر نے ایسا الزام ان پر عائد کیا تو اسے ایک لاکھ روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اگر امامت سے مراد احارت سمجھی جائے تو اس کے ترک کرنے کا سوال بخوبی پیدا ہوگا۔ جب اس امامت کی بیعت ثابت ہو جائے جو کہ امر محال ہے کیونکہ مطالبہ بیعت ہی وہ محرک تھا جو اس واقعہ ولسوز کی بنیاد ہوا۔

کسی امر باطل پر دیگر مسلمانوں کی رفاقت کرنا ضروری نہیں ہے لہذا ایک ناجائز رفاقت کے مطالبہ کو منوانے کی خاطر ایسی سنگین کارروائی ہرگز مستحسن قرار نہیں پاسکتی ہے۔ قول یہ غیر قیام حق کی خاطر ہے اور قول عمر استحکام باطل کے لئے ہے لہذا دونوں اقوال میں ہرگز مشابہت نہیں ہوتی ہے اور ان میں وہی فرق ہے جو حق و باطل میں ہوا کرتا ہے پس تہدید اصرار ہرگز مطابق حدیث ثابت نہیں ہوتی ہے۔

### واقعہ ابن اخطل سے استدلال

شاہ صاحب نے اس واقعہ کے جواز میں شاعر یہ گواہ ابن اخطل کے حکم قتل منہا نب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی استدلال بنایا ہے اور لکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور عرض

حضور کا حکم ایک شریکِ ستارہ نئی کے قتل کے لئے تھا کہ خانہ خدا کو آگ لگا دینے سے متعلق تک۔ جب گروہِ مذہبِ سایہ خانہ بتول میں تمام افرادِ تو صحابہ کی جماعت سے تعلق رکھتے یا پھر خاندانِ رسول کے افراد تھے۔ اور انہوں نے نہ ہی شانِ رسولؐ میں کوئی گستاخی کی تھی اور نہ ہی کوئی اور ایسا سنگین جرم کیا کہ واجب القتل ٹھہرتے غالباً شاہ صاحب کو روزِ فتح مکہ سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ فرخِ دلانہ اور رحمدلانہ حکم یاد نہیں کہ آپ نے ہدایت فرمائی کہ کفار میں سے کسی پر تشدد نہ کیا جائے اور جو لوگ ابوسفیان کے گھر میں آجائیں ان کو پناہ دی جائے۔

تحتفظ ناموسِ رسول و اہل بیت میں داخل ہے اور حضورؐ کی شانِ اقدس میں گستاخی جرمِ کبیر ہے لہذا اس کے مرتکب کو کبیر کو دار پر پہنچانے کی خاطر اگر ایسا قدم اٹھایا جائے قباتِ دوسری ہے لیکن محض کسی کی آزادیِ لاسے کو چھیننے کی خاطر اسے غلام بنانے کے لئے اس قسم کا جواز نہ ہوتا ہے واقعہ مذکور سے منطبق کرتا جائے کہ گستاخی ہوگی۔ پس ابنِ اخطل کے واقعہ کو اس سانچے سے کوئی تطبیق حاصل نہیں ہے اور ایسا استدلال غیر معقول اور بے جا ہے۔

**سیدہ اس حبیبیت کو سزا دینے سے مکدر نہ تھیں۔**

جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے ہیں۔ اس کا حافظہ بھی کمزور ہوا کرتا ہے چونکہ شاہ صاحب بھی اپنی وکالت جھوٹی اساسوں پر کر رہے ہیں لہذا ان کی یادداشت کھو گئی ہے پہلے انہوں نے کہا ہے کہ سیدہ طاہرہ سببِ کمالِ حسنِ خلق اُن لوگوں کو اپنے گھر میں آنے سے منع نہ فرماتی تھیں۔ لیکن اب فرماتے ہیں کہ

کیا گیا کہ ابنِ اخطل جو شرعاً کفار سے تھا اور بارہا اپنے شعر میں ہجو آپؐ کی لکھ کر پنا منہ کا لاتا رہا تھا خانہ کعبہ میں جا کر اس کے پردوں میں جہاں تجلی کا آئینہ نہ ہے چھپا ہے اس کے مقدمہ میں کیا حکم ہے فرمایا کہ اس کو وہیں مار ڈالو۔ اور پاس کچھ کسی بات کا نہ کہ وجہ ایسے مردود وین جنازہ الہی کو حقانہ خدا میں پناہ نہ ہو تو حضرت زہراؑ کے گھر میں کیوں پناہ ملنا چاہیے۔

شاہ صاحب محسمہ میں پھنس کر بالکل بوکھلا ہو گئے ہیں۔ ان کو نہ آگاہی کی ہوش ہے اور نہ ہی اپنے عقائد کا پاس ہے۔ جو اس باختگی میں جو منہ میں آتا ہے ماننے جا رہے ہیں اصحابِ رسول جن کو نجومِ ہدایت کہا جاتے اور حکمِ عدل کے مصداق اعتقاد کیا جائے اگر مرضی ہو تو موقع کی مناسبت سے ان کو مردود وین جنازہ الہی بھی کہہ دینا سینوں کے دلِ سعادت مندی ہے۔ کہاں ابنِ اخطل ملعون کہ گستاخِ دین کا دنیا و آخرت میں منہ کا لا بسوا۔

شاہ صاحب صحابہ رسولؐ بنی ہاشم اور اہل بیت کو اس مردود و ملعون کے ساتھ متشابہ قرار دیکر اپنا منہ کالا کر رہے ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں موجود افراد میں حضرت علیؑ تمام بنی ہاشم، اکابر صحابہ مثل حضرت زبیر بن عوام، مقداد بن عمر، سلمان فارسیؓ، عمارؓ، یاسرؓ، ابی بن عازبؓ اور ابوذر عقیلیؓ وغیرہم بھی شامل تھے جن سب کو شاہ صاحب ابنِ اخطل جیسے گستاخِ رسول سے تشبہ دیکر دین و دنیا کی رسوائی خرید رہے ہیں خیر اس توہین کی سزا یا جزا ان کو بارگاہِ خدا و رسول سے اچھی یا بری ضرور مل رہی ہوگی۔

بہر کیف یہ استدلال بھی شاہ صاحب کے لئے مفید نہیں ہے۔ کہ

ہیں سیدہ بھی ان لوگوں کو اس اجتماع سے روکتی تھیں۔ اب اللہ جانے شاہ جی کی نظر میں صحیح بات پہلی ہے یا بعد والی۔ میں تو یہی کہوں گا، تضادِ بیاہی موقف کے لئے زہرِ قاتل ہوتی ہے مگر کیا کسوں اباب اہل سنت والجماعت کے دفتر ہی تضادات کا مجموعہ ہیں اور یہ عادت اب ان کی فطرت بن چکی ہے جس کا بدلنا انسانی لمبا طے سے باہر ہے خیر شاہ صاحب کی کلام ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت زہراؑ ایسے شہریروں مفسدوں کے سزا دینے سے کب مکدر ہوں گی کہ تخلو باخلاق اللہ خدا کی عادتوں کے موافق عادت اختیار کر دے۔ آپ کس طہینت پاک کاشیوہ تھا اس کے ساتھ ہی صحیح خبروں سے ثابت ہے کہ حضرت زہراؑ بھی ان لوگوں کو اس حجاد سے منع کرتی تھیں؛

یہاں یہ سوال کروں گا جب مجمع اصحاب و اہل بیت جو زیر سایہ پناہ سیدہ مشاورت میں مصروف رہتا تھا، ان کی یہ مجلس سیدہ کے دلی ارادہ کے خلاف تھی بلکہ سیدہ کو اس میں کوئی اعتراض بھی نہ تھا کہ ان کو اس نام نہاد و شرارت کی سزا مل جائے تو انہوں نے براہِ راست حکومت کو کیوں نہ کہہ دیا جبکہ آپ کے بقول آپ ان کو اس کام سے منع بھی فرمایا کرتی تھیں اور ان لوگوں کے وقوف عقل کو کیا ہو گیا کہ اس قدر بڑی سازش جو سرسرخ خطرات کا مجموعہ تھی، ایسی جگہ پر کرنے کے لئے جمع ہو گئے جہاں کے مکین ان کے ہم خیال نہیں بلکہ مخالفت تھے ظاہر ہے کہ سیدہ کی مخالفت اس امر کا بین ثبوت تھا کہ یہ گھر ان کے عزائم کے لئے خطرات و مشکلات کا گھر ثابت ہوتا۔ مگر وہ بھی اپنی شرارت اور سکیم فساد کو دہاں پر دہاں چڑھا جانے کے لئے آتے ہیں۔ چلئے ان لوگوں کی عقل موقوف ہو چکی تھی، تو سیدہ کی ممانعت فرمانے سے ان پر یہ اظہار ہو گیا تھا

کہ آپ ان کی حامی کاربنا پسند نہیں فرماتی ہیں پھر اخلاقی جواز برقرار نہ رہا۔ لہذا وہ خود ہی حکومت کو خبردار کر دیتی کہ اس باغی گروہ کو قابو میں کیا جائے لیکن تاریخ ایسی صحیح خبر فراہم کرنے سے عاجز ہے کہ سیدہ نے حکومت کو اس قسم کی کوئی خبر دی ہو یا ان آدمیوں کو اس بات سے منع فرمایا ہو اگر کوئی ایسا منصوبہ ہوتا جو زمرہ شرارت یا فساد میں آسکتا تو یقیناً سیدہ اپنی دینی ذمہ داری لوہا کر تیں اور اس گروہ کو سختی سے اس عزم سے روکنے کی تدابیر اختیار فرماتیں۔

کسی شہریہ و مفسد کی پشت پناہی کرنا بذاتہ فعلِ قبیح ہے اور چونکہ شاہ صاحب کے بقول سیدہ کی پاک طہینت خدا کی عادتوں کے موافق عادت اختیار کرنے والی تھی اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی جو صحابہ اور افرادِ خانوادہ رسولؐ جمع تھے ان کے عزائم ہرگز نہ شریعہ مفسدانہ نہ تھے ورنہ اس خانہ ہدایت و طہارت میں انہیں مطلق نیاہ نہ ملتی بلکہ وہ مجلسیں ایک فلتتہ کے خلاف منعقد ہوئیں تھیں جو اس قدر گھناؤنا تھا کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر آئندہ کوئی ایسا کرے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

سیدہ طاہرہ کا رنجیدہ خاطر ہونا تاریخی دلائل سے مکمل طور پر ثابت ہے اور یہ رنج اسی قدر شدید تھا کہ بی بی پاک نے ساری عمر اپنے موزیلوں سے کلام کرنا گوارہ نہ فرمایا حالانکہ ان لوگوں نے لاکھ اپنی معافی پیش خدمت کی مگر لفظی الرسولؐ کا رنج و درد نہ ہوا اور آپؐ ہر ناز میں ان کو بد دعا دیتی رہیں معصومہ کا انوکھا مجالس سے منع فرمانا اور حکومت کی حمایت کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے اگر بی بی پاک اس نام نہاد خلافت پر راضی ہوتیں تو ہرگز



ہرگز حضرت علیؑ کو قتل کرنے کا سازش نہ بنائی جاتی۔ ان کے گلے میں رسی نہ ڈالی جاتی۔ آپؑ کو شئی نشینی پر مجبور نہ ہوتے اور نہ ہی ان سے زبردستی بیعت حاصل کرنے کی سعی نامشکور کی جاتی۔

پس شاہ جہا کا یہ زعم کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو ایسی کارروائی کا کوئی رنچ نہ تھا بالکل بے ثبوت اور افتراء ہے ورنہ وہ کسی ایک یا کئی خبر صحیح سے یہ ثابت کر دیں کہ سیدہ اس کارروائی پر خوش ہو گئیں۔ ورنہ مکابرانہ کج بختی ان کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتی ہے سیدہ کا رنچ و ناراضگی کتب تاریخ و حدیث سے مکمل طور پر ثابت ہے جس پر مفصل بحث ہم گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔

### قول عمرؓ فعل امیر سے گھٹ کر ہے۔

جب جماعت اہل حکومت ستیفہ کے لئے دیگر تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تو ان کو ایک ہی راستہ سوچنا ہے کہ وہ جنگ چل میں حضرت عائشہ کے حالات کو واقعہ قصداً اراق خانہ سیدہ صدیقہ العالمین صلوٰۃ اللہ علیہا کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اور عذر و ضح کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے ساتھ جو سلوک حضرت علیؑ نے کیا وہ حضرت عمرؓ کے اس کام سے بڑھا ہوا ہے۔ لہذا اگر علیؑ اس واقعہ میں بے قصور ہیں تو پھر حضرت عمرؓ اس سے کم تر فعل میں خطا وار کیوں ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب نے بھی اس توضیح کو دلیل بنایا ہے اور لکھتے ہیں کہ

”بیز قول حضرت عمرؓ کا اس موقع پر حضرت امیرؓ کے فعل سے بہت گھٹ کر

ہے کہ جب بعد شہید ہونے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آپ کی خلافت ٹھہری کہ جو لوگ کہ ارادہ پر ہم کرتے اس منصب عظیم کا دل میں رکھتے تھے مدینہ سے نکلی کر مکہ کو دوڑے اور پناہ سایہ حرم محرم رسول یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ میں داخل ہو کر دعویٰ فضا ص عثمان کا ان کے قاتلوں سے کر کے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے تھے۔ حضرت امیرؓ نے ان کو قتل کیا اور کچھ پاس حرم محرم رسول اور رعایت ادب اپنی ماں اور ام المومنین کا جو بموجب نص قرآن کے ہے نہ فرمایا ہر چند جیسے کچھ ذلت و انانت اور آسیب و صدمہ حرم محرم رسول نے اٹھایا اظہر من الشمس ہے۔ اور واقعی حضرت امیرؓ نے جو کہا نہایت نیک اور خاص الخاص حق تھا کہ ایسے بڑے کاموں میں جس میں قتلہ اور فساد عام ہو جزئی مصلحتوں کی رعایت کر کے اس کے مقدموں اور مبادی کو چھوڑ دینا اور تدارک نہ کرنا کمال بے انتظامی امور دین و دنیا کی ہے پس جیسا کہ گھر حضرت زہرا کا واجب التعظیم اور احترام تھا۔ ام المومنین اور حرم محترم اور زوجہ محبوبہ ان کی محبوب الہی تھی یہ بھی واجب التعظیم و احترام تھا بلکہ عمرؓ سے صرف قول اور تحویل واسطے ڈرانے دھمکانے کے وقوع میں آئی اور حضرت امیرؓ نے تو اس فعل کو بھی حد درجہ کوہنچا دیا پس اس مقام پر زبان طعن کی حضرت عمرؓ پر بڑھا دینا حالانکہ ان کا قول فعل حضرت امیرؓ سے بدرجہا گھٹا ہوا ہے سوائے تعصب و عناد کے اور بنیاد اس کی کیا ہے۔“

کسی فعل کی خوبی و بُرائی حسن و قبح کی جانچ پڑتال کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے وقوع پذیر ہونے کے وجوہات و اسباب پر نظر رکھی جائے۔ نیز عمل کی کارکردگی کو ملحوظ رکھا جائے اور ربا مد شدہ نتائج پر غور کیا جائے۔ مثلاً

ایک شخص جہاد میں مقابلہ کرتا ہے اور دشمن کے کئی افراد کو تہ تیغ کر کے حاصل جہنم کر دیتا ہے تو اس کا یہ مقابلہ جہاد کہلائے گا۔ اسی طرح کوئی آدمی بازاریں لوٹ مار مچانے کی خاطر چار پانچ آدمیوں کو گھائل کرتا ہے تو اس کا یہ مقابلہ بھی جہاد نہ کہلائے گا۔ حالانکہ دونوں مقامات پر مقابلہ عمل مشترک ہے مگر اولیٰ کمہ مقام پر باعث ثواب ہے اور مؤخر الذکر جبکہ پر قابلی عذاب و سزا ہے۔

اسی اصول کے مطابق ہم جب واقعہ جمل اور واقعہ احراق کا موازنہ کرتے ہیں تو دونوں کی نوعیت اور باہمی فرق صاف ظاہر واضح ہو جاتا ہے حضرت عمرؓ نے محض زبردستی بیعت کے حصول کے لئے یہ کارروائی کی جبکہ حضرت علیؓ علیہ السلام کی سیرت طیبہ میں کوئی ایک بھی ایسا واقعہ نہیں مل پاتا ہے کہ آپؐ نے کسی کو زبردستی مجبور کیا ہو یا طاقت کے دباؤ سے کسی سے بیعت حاصل کی ہے۔ دور کیوں جانیے ہم حضرت عمرؓ کی گھر چلتے ہیں کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید ملعون جیسے فاسق و فاجر کی بیعت تو کر لی مگر انہوں نے حضرت علیؓ علیہ السلام کی بیعت سے ہمیشہ گریز کیا مگر حضرت علیؓ نے کسی بھی وقت ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا۔ نہ ہی ان کی آزادی سلب کی اور نہ ہی ان کے دیگر شہری مراعات میں کوئی کمی آنے دی حالانکہ اگر وہ انتقامی کارروائی کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور سیدہ کے خاندان طیبہ کی توہین کا بدلہ بڑی آسانی سے لے سکتے تھے اور کچھ نہیں تو زبانی جتا سکتے تھے کہ ہمارے باپ نے ہمارے گھر کو پھونکنے کا اہتمام کیا تھا۔ اس بات کا اظہار ہی عبداللہ کے لئے تحریف ہو جاتا کیوں کہ وہ جانتے تھے بدلہ اتارا جاتا سکتا ہے۔ مگر کردار علیؓ کی بلندی ایسی پستی کی طرف نگاہ جھکا کر دیکھنا بھی

گوارہ نہ کر سکی اسی طرح اور بھی با اثر افراد تھے جو بیعت سے الگ رہے۔ اور حضرت علیؓ لچا ہتے تو ان پر طاقت کا استعمال کر سکتے تھے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ آپؐ نے ایسے لوگوں کی بھی آزادی کو با بند نہ کیا جو بیعت سے منحرف ہو گئے۔ اگر تاریخ کوئی ایسی مثال چھپائے ہے تو اس سے ظاہر کر دیا جائے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے حصول بیعت کے لئے یا اپنی کوئی اور رائے یا حکم مسلط کرنے کے لئے کسی گھر کو تہ تیغ کرنے کی محض زبانی ہی دھمکی دی ہو جتنا فرق گھر اور میدان جنگ میں ہوتا ہے۔ اتنا ہی فرق واقعہ جمل اور واقعہ احراق میں ہے۔ دونوں میں نہ ہی کوئی مناسبت ہے اور نہ ہی مماثلت۔

جنگ جمل میں جو ہوا اس کو بیان کرنا خارج از موضوع ہے۔ بات صرف خانہ عائشہ اور بیت بنو النبیؐ کی ہے آپؐ خود کے بقول بی بی فاطمہؓ ان مجالس سے راضی نہ تھیں لہذا بے گناہ ہوئیں حضرت عمرؓ نے ایک بے گناہ مخدّرہ خاتون جنت اور سیدۃ النساءؓ کے گھر کو پھونکنے کا ارادہ کیا جب حضرت علیؓ نے ایک ایسی خاتون کے خلاف جنگ فرمائی جو حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف گھر سے باہر آگئیں اور میدان جنگ میں کود پڑیں انہوں نے خلافت حقہ کے خلاف جارحانہ طرز پر فوجی بغاوت کر کے مرکز کو کمزور کیا۔ ایک ماں نے اپنی اولاد پر قاتلانہ حملہ کیا۔ رسولؐ کے متنبہ کرنے کے باوجود اس جگہ تشریف لائیں جہاں ان پر کتے بھونکے اور کتوں نے ان کو یاد دلایا کہ وہ برسر حق ہیں لیکن انہوں نے جس طرح اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے میدان جنگ میں کودنا گوارہ کر لیا۔ اسی طرح حکم رسولؐ کو پس پشت ڈال کر اسی شخص سے لڑائی کی جس سے رسولؐ اکرمؐ سے لڑنا ہے پس ایسی حکم عدولی خاتون کی باغیانہ مفسدانہ اور شریرانہ حرکات



سے چشم پوشی کرنا گناہ عظیم تھا لہذا خلیفہ برحق نے اطاعتِ خدا اور رسول میں اس  
منتہ کی سرکوبی کی جو حضرت عائشہ کے قول کے مطابق ان کا جنگ جمل میں خطا وار  
اور قصور وار ہونا ثابت ہے اور خود شاہ جہان نے بھی اعتراف کیا ہے کہ حضرت  
امیر نے جو کیا نہایت نیک اور خاص انعام حق تھا۔ خیر یہ معاملہ جنگ تھا میدان  
جنگ میں جو بھی ہوا اس کو پُرمان گھر کے ساتھ کوئی تطبیق نہیں ہے مگر پھر بھی  
قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ حضرت علی کی فتح کے بعد نہایت احترام کے ساتھ بی  
عائشہ کو واپس مدینہ روانہ کیا گیا۔ اور حالات تارخ میں صاف دکھائے ہوئے  
ہیں۔ آپ نے نہ ہی کسی خیمہ یا گھر کو لوٹا اور نہ ہی کسی باغی کے گھر کو آگ لگائی۔  
بلکہ اسلامی قوانین جہاد کی پوری پوری نگہداشت فرمائی۔

حضرت سیدہ فاطمہ نے نہ ہی کوئی فوجی بغاوت کی اور نہ ہی وہ اپنے گھر  
سے باہر کسی ایسی سیاسی سرگرمی میں ملوث ہوئیں۔ ان کے گھر کو جلد نے کا انتظام  
کیا گیا چونکہ حضرت علی علیہ السلام کی ساری زندگی میں ایسا کوئی واقعہ و قصہ احراق  
ملتا ہی نہیں ہے لہذا محض جنگ جمل کے واقعہ سے احراق کا الزام نہیں کیا  
جاسکتا ہے اگر بی بی پاک بھی مسلح بغاوت برپا کر کے حکومت کے مقابلہ  
میں میدانِ جنگ میں آجائیں تو پھر ہم جنگ جمل کی مثالی قبول کر لیتے۔

چونکہ فعلِ امیر اور قولِ عمر علیہ قصہ عمر میں کسی قسم کا ربط و اشتراک ہی نہیں  
ہے تو ان دونوں میں بڑھائی یا گھٹائی کا سوال پیدا کرنا محض جہالت اور بیٹری  
بحث ہے فعلِ امیر خاص انعام حق تھا اور قصہ عمر سرِ اسرِ ظلم یہ مبنی تھا پس  
ظلم و حق میں امتیاز نہ ہی تعصب ہو سکتا ہے اور نہ ہی عناد بلکہ تحقیقِ حق و  
ابطالِ باطل ہے۔

## دونوں خلافتیں حق ہیں

شاہ صاحب کا خیال خام ہے کہ خلافت حضرت علیؑ اور امارت حضرت  
ابوبکرؓ دونوں اہل سنت و الجماعۃ کے نزدیک حق ہیں۔ لہذا جس طرح حفظ  
انتظام کی خاطر حضرت علیؑ کی بی بی عائشہ سے جنگ جائز تھی اسی طرح حضرت  
ابوبکرؓ کی خاطر حضرت عمرؓ کی کارروائی درست تھی۔ چنانچہ تحریر کرتے ہیں کہ۔  
"اب اگر اہل سنت کے مقابلہ میں یہ فرق پیدا کیا جائے کہ خلافت امیر  
کی حق تھی۔ لہذا اس کا حفظ انتظام تو ضروری تھا۔ اب پاس تعظیمِ حرمِ رسول کی  
سب ساقط ہو گئی لیکن خلافت ابوبکرؓ کی ناحق تھی۔ عمرؓ نے اس خلافت  
نامردہ کا پاس کیا اور اس کے حفظ انتظام کے واسطے حضرت زبیرؓ ا  
بنت رسولؓ کے گھر کا لحاظ نہ کیا کہ وہ بال پر وبال ہے یہ سب ان کی نہایت بے  
عقلی و نادانی ہے اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک دونوں خلافتیں برابر ہیں  
دونوں کو حق مانتے ہیں خصوصاً اس وقت طعنِ عمرؓ بن خطاب کی طرف  
منوجہ مہنا عمرؓ کے نزدیک جو خلافت ابوبکرؓ کی مقرر بحقیقت تھی یعنی اپنی  
لاحق تھا اور اس وقت کوئی جھگڑا اور مخالفت کہ ابوبکرؓ کا ہم جنب ہوتا  
یعنی برابر والا اور یہ اس کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے اور گنتی میں نہ لاتے۔  
جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ خلافت ابوبکرؓ اور خلافت علیؑ  
میں کون سی خلافت برحق تھی۔ تو یہ امر ظاہر ہے کہ شیعہ منصوص خلافت  
کے تائل ہیں اور وہ حضرت علیؑ ہی کو رسول کا خلیفہ بلا فصل تسلیم کرتے  
ہیں۔ چونکہ موضوع بحث استحقاقِ خلافت نہیں ہے۔ لہذا اس مضمون پر ہم



کچھ کہنا نہیں چاہتے یہ تفصیلی گفتگو ہم اپنی کتاب "صفت ایک راستہ" کے باب سیاسیات و قضایا میں کر چکے ہیں۔ مطلب اس مباحثہ کا مسئلہ الحراق سے وابستہ ہے۔ لہذا ہم ادھر ادھر کے مباحثات سے اپنے مقصد بیان میں الجھاؤ پیدا نہیں کریں گے۔

بات صرف یہ ہے کہ بی بی عائشہ نے حضرت علیؓ کے خلاف مسلح بغاوت برپا کی خلافت شریعت جنگ میں کود آئیں۔ اور مقصد قصاص کی آڑ لے کر عدالت کی بجائے میدان شجاعت کا رخ کیا لہذا ایک حاکم وقت پر ضروری ہوا کہ وہ اپنے خلاف لگائی بغاوت کا قلع قمع کرے چونکہ بی بی صاحبہ نے بقائدہ فوج کشی کی اور جنگ لڑی لہذا طریقین نے ہر جنگی حربہ آزمایا ہو گا۔ دونوں طرف حرافت کی فوجیں مقابل تھیں ایک دوسرے کے لشکر نبرد آزما تھے قطع نظر اس بات کے کہ حضرت علیؓ کا موقف صحیح تھا اور فریق مخالف کے عزائم نیک نہ تھے۔ اور عین حضرت علیؓ کے لیے پیشانی پیدا کرنا ہی ان کا مقصد تھا۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ دونوں گروہوں میں جنگی برابری تھی۔ کسی گروہ نے دوسرے پر امن گروہ پر حملہ نہیں کیا تھا اور اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے لئے ایسا ثابت نہیں ہے کہ سیدہ طہر میں مقیم تھیں انہوں نے نہ ہی حضرت ابو بکرؓ کے خلاف لشکر کشی کی اور نہ ہی میدان جنگ میں مدد بھڑھڑائی۔

پس قابل فہم بات یہ ہے کہ سیدہ گھر میں مقیم تھیں انہوں نے کوئی لاد لشکر جمع نہیں کیا تھا لہذا حکومت نے ایک پرامن و معطلہ خاتون پر لشکر کشی کی اور تمام اخلاقی ضوابط کو پس پشت ڈالتے ہوئے آگ کا ہتھیار استعمال کرنا چاہا۔ اگر بی بی پاک بتول بھی میدان میں آگئی ہوتیں ادا ان دونوں فریقوں میں

جنگ ہوتی جس طرح کہ جنگ جمل ہوئی ہے تو شاید ہم یہ طعن واپس لے لیتے و بال پروبال تو یہ ہے ایک مقصد فاسدہ کی خاطر حکومت نے ایک پرامن معزز اور محترم خاندان کے گھر پر دھاوا بولا جبکہ دھار صدائی خود تسلیم کرتے ہیں کہ سیدہ ہدایت خود کسی شرارت یا فساد میں مشرک نہ تھیں۔

واقعہ ہو کہ حضرت علیؓ نے حاکم ہونے کے باوجود جنگ جمل سے قبل باغی خاندان کو مذاکرات کے ذریعہ اس فساد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی تھی۔ خطوط لکھے و فور بھیجے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے پیرا بن صوحان اور محمد بن ابوبکرؓ کے ذریعہ مصالحت کی کوشش فرمائی۔ مگر چونکہ انہوں نے صلح کے تمام راستے بند کر دیئے تھے اور جنگ پر تل گئی ہوئی تھیں لہذا حضرت امیرؓ نے اپنے لشکر سے جنگ سے پہلے یوں خطاب کیا۔

"اے لوگو! مجھے جہاں تک قوت تھی انہیں رخصت کر دیا (جمل کو) سمجھایا میں ان کی (کارستانیوں) نظر انداز کرتا رہا۔ جنگ و جدل کی سختی دونوں طرف سے باخبر کیا۔ جب یہ سب کچھ کارگر ثابت نہ ہوا تو تمہیں دیں کہ شاید اپنے زن و فرزند پر رحم کریں۔ لیکن میری کسی (مصالحانہ) بات کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اٹھ مجھے دھمکا یا ہے کہ لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور مردوں بہادریوں سے لڑنے کے لئے میدان میں آؤ۔ یہ لوگ مجھ سے ایسی بات کر رہے ہیں جس کی ساری عمر جدلی و حرب و حذب میں گزاری ہے اور میں نے میدان جنگ میں پرورش پائی ہے۔ شاید یہ لوگ مجھے بھول گئے ہیں۔ کہ میں وہی علیؓ ہوں جس نے ان کی صفیں توڑیں۔ ان کے بزرگوں کے سر قلم کیئے۔ ان کی جماعتوں کو پریشان کیا وہ قلعہ حیرت نے عرب شجاع سرداروں کے سر کاٹے میسرے ہاتھ میں ہے اس کے علاوہ قوی دل، مین با زور و صبر و یقین سے

آراستہ ہوں مجھے کیا خوف ہے! خدا کی مجھ پر رحمت ہے میرے لیے موت سے بھاگنا۔ ممکن ہی نہیں جو شخص مارا نہ جلتے گا وہ بھی موت سے بچے نہ سکے گا۔ مارا جانا مرحبانے سے ہزار درجہ بہتر ہے میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تلوار کے ہزار زخم مجھ پر آسان ہیں نہ نہت اس کے کہ عورتوں کی طرح بستر پر جان دے دوں۔

دوران جنگ بھی حضرت علی علیہ السلام یہ کوشش فرماتے رہے کہ سمجھو ہو جانے مگر جب تک اہل جمل خود الفجار کے جوہر نہ دیکھ لیتے کیسے باز رہ سکتے تھے۔ بہر حال فتح پانے پر بھی نہ ہی کسی کا مال لوٹا گیا اور نہ ہی آگ لگائی گئی نیز حضرت امیر نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ لڑنے کا قصد پہلے نہ کیا جائے محض دفاعی جنگ لڑی جائے عورتوں اور بچوں پر رحم کیا جائے۔ محض دفع شر کے لئے لڑائی ہو کسی بھگڑے کو عالم فرار میں قتل نہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سخت افسوس ہے کہ حضرت عمر نے اتنا بھی نہ کیا کہ ایک شہقی محدث سے کم سے کم اخلاقی طائفہ بطور تہیہ کر دیتے کہ آپ ان لوگوں کو اپنے ٹان۔ جمع نہ ہونے دیا کریں۔ یا یہ کہ حکومت کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ آپ کے گھر کوئی صلاح و مشورہ ہو۔

لہذا آئندہ احتیاط فرمائیے۔ مگر چونکہ وہ حکومت اپنی اساس ہی غیر اخلاقیات پر رکھتی تھی۔ لہذا اسے اخلاقی ضوابط کو ملحوظ رکھنے کی کبھی ضرورت تھی جو لوگ مانتوں میں ہتھیار اٹھائے بغاوت پتلے باناروں میں گھوم رہے تھے حکومت نے ان کی طرف سے آنکھ بند کر لی اور اپنی تمام تر توجہ تحقیر خاندان رسول کی طرف متحرک کی۔ ورنہ حضرت سعد بن عبادہ جیسے لوگ تلوار اٹھائے

ہوئے تھے مگر ان کو پوچھا بھی نہ گیا: لگاؤ تہر پٹی توصفہ خانہ تبول پر۔ اب اگر آپ کی یہ بات تہذیب و تمدن لائی جائے کہ حضرت عمر کے نزدیک حضرت ابوبکر کی خلافت منہی راجتی تھی لہذا ان کے مخالفت کے خلاف کاروائی کرتے وقت کسی اور بلند مرتبہ ہستی کا پرواہ نہ کرنا ضروری نہ تھا تو میں کہتا ہوں کہ کم سے کم مذاکرات کرنا ضروری تھے یا نہیں؛ اختلاف کی صورت میں دستور کی طریقہ کار یہی ہوتا ہے کہ پہلے ٹیما من خدائے استعمال کئے جائیں کیا حکومت کی طرف سے کوئی ایسی پیشکش کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے قصد اہراق سے پہلے حضرت فاطمہ سے گفت و شنید کے لئے سفارش کا ہر کان لوگوں کی جو شکایت ہے باہمی بات چیت سے دور کرتے ہیں معاملہ سیاسی نوعیت کا تھا۔ اسے آپس میں بھیج کر مشاورت سے سلجھا یا جاسکتا تھا مگر صلح اور امن کی راہ کو چھوڑ کر تلخی و جنگ کے راستہ کو ہموار کیا گیا۔ اور اب اس قدر کچھ بھی لائق تخرین نہیں ہو سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ایسی موضوع روایات بھی ہیں کہ ان لوگوں کو خبردار کیا گیا تھا کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے لہذا تم بھی اطاعت کے لئے بیعت کر لو۔ تو ہم کہیں گے یہ بیعت جبری ہوگی۔ جو امر حق نہیں ہے اور پھر یہ سیدہ لاہرہ کے لئے تو ضعیف سے ضعیف روایات ہیں وہی ایسی گفتگو نہیں مل پاتی کہ آپ کو کہا گیا ہو کہ ان لوگوں کو گھر سے آنے سے روک دیں۔

جب طرح حضرت علی کے لئے ثابت ہے انہوں نے بی بی عائشہ سے مصالحت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جناب سیدہ طاہرہ کے لئے حکومت کی جانب سے ایسا ایک بھی قدم نظر نہیں آتا ہے ورنہ ثبوت پیش کریں حضرت علی کی جنگ جہاد

ہے بی بی عائشہ بقولے خود خطا پر یقین یعنی امر باطل پر یقین لہذا امام حق نے امر باطل کے خلاف جہاد فرمایا جبکہ حضرت عمر نے امر باطل کی خاطر سیدہ کے گھر کو آگ لگانے کا قصد کیا۔ پس دونوں واقعات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

## فاسد ارادے سوچنا موجب قتل و تعزیر نہ سہی

### موجب ڈرانے دھمکانے کا تو ہے ،

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”نبیاء ایسی خلافت منتظرہ کی کہ اول جوشن اسلام کا تھا اور وقت نشود نما نہال دین اور ایمان کا برہم کرنا اور ارادے فاسد سوچنا ضرور موجب قتل و تعزیر نہ سہی تو کم سے کم موجب ڈرانے دھمکانے کا تو ہے۔“

اس عبارت میں شاہ جی صاحب نے سرے ہی سے اپنے مصنوعی سبب کی ٹیپہ ٹپو دی ہے خلافت سیقیفہ جس پر سارے سنی مذہب کا دار و مدار ہے اس کی بنیاد شاہ جی ”جوشن“ قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس خلافت کو جوش سے نہیں بلکہ محض سنی اسلام کے جوش سے بنایا گیا۔ اسی جذبہ جوش میں جناب عمر نے فتویٰ دیا کہ اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اسے اس جہان فانی سے اگلے جہان دھکیں دیا جائے خیر یہ تو محض جملہ معترضہ قابل بحث بات ہے کہ دین اور ایمان کو برہم کرنا اور اس کے خلاف فاسد عزائم سے سوچنا تو بلاشبہ قابل تعزیر یا قابل قتل ہے اور ایسی ہی صورت میں اگر کوئی دھمکی جاری ہو تو وہ مذموم نہیں ہے مگر راہ خدا اتنا تو تمام بچنے کہ اگر قیام حکومت سیقیفہ پر دین اور استحکام ایمان تھا تو ایسی با عظمت بیعت کو حضرت عمر صاحب نے قلعہ کیوں کہا اور اس کا رجحانات دین و ایمان کے از نکاب کی

پاداش میں سزائے موت کا حکم کس لئے جاری کر دیا۔ اب چونکہ حضرت عمرؓ کے بقول یہ بشر تھا جس کے فتنہ سے اللہ نے محفوظ رکھا اس لئے شر کے خلاف سوچنا امر حق ہو گا۔ نہ کہ مضر رسالہ نہال دین اور سبب ربی ایمان۔ ایسے عزائم ”جو شر کو مٹانے کے لئے پیدا ہوں گے وہ فاسدہ نہیں بلکہ عمدہ ہوں گے۔“

اب جب تک ایسے ارادوں سے پردہ نہ اٹھایا جائے جو اہل مجلس زیر سایہ خاتونِ عجمت نے ظاہر کیئے جو کہ دین و اسلام کے خلاف اور ملت کے لئے نقصان دہ تھے اس وقت تک یہ الزام با ثبوت ہو گا کیونکہ جن ہستیوں پر یہ الزام عاید کیا گیا ہے ان میں اکابر صحابہ اور سر پادشاہیت گھرانہ شامل ہیں۔ اور اگر محض حکومت سیقیفہ کے قیام اور طریق کار و حیثیت حکومت سے اختلاف ہی کو فساد دین و ایمان کہا جائے تو جو شخص سخت توہین ہو گا۔ کیونکہ سیاسی اختلافات ہلے فسادات کے زمرے نہیں آیا کرتے۔ ورنہ ایسے قیاس کی روشنی میں سنی مذہب کے ممتاز بزرگ مفسد شریعہ اور دشمنانِ دین و اسلام قرار پا جائیں گے۔

ہم صرف ڈرانے دھمکانے کی بات نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے تمام عنوانات کو سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ اگر یہی بات شائستگی سے کی جاتی تو سامنے بھی مرجاتا اور لاٹھی بھنی کچی رہتی غور کریں کہ آپ کے ہاں ایسی روایات موجود ہیں کہ اس واقعہ احراق کے بعد سیدہؓ نے لوگوں کو اپنے گھر آنے سے منع کر دیا۔ اب یہ روایات صحیح ہیں یا غلط اس بات کو پہنچنے پہنچتے صرف یہی سوچنے کہ اگر دائرہ ادب و احترام میں رہتے ہوئے سیدہؓ سے یہ التماس کی جاتی تو حسب خواہ نتیجہ برآمد ہوتا اور آئندہ کے لئے ایسے ظلم کی مثال ہرگز نہ بننا کہ لوگوں کے دلوں میں عظمت اہل بیتؑ میں کمی آجاتی۔ ہمارا زور اس بات پر ہے کہ قصد



اصراق خانہ بتول اہل بیت کی تحقیق کی خاطر تھا۔ اس کا محرک نہ ہی حفاظت ایمان و اسلام تھا۔ اور نہ ہی فساد امت کا خدشہ۔ کیوں کہ فساد کی گروہ تو دوزخا تھے۔ اور حکومت ان سے چشم پوشی کر لیتی تھی۔ محض حکومتی اختلاف بھی تھا۔ تو مذہب اہل سنت کے مطابق اختلاف رحمت ہے

اس واقعہ میں حضرت عمر کے غلطی پر ہونے کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر خلیفہ وقت کو اس سانحہ کا علم ہوا تو آپ نے اہل زمانہ پندیرگی فرمایا اور حضرت عمر کو کہا کہ چلو حضرت علیؑ سے معافی طلب کریں۔ صاحب اہل سنت کے امام اول اس کارروائی کو غلط قرار دیں۔ اور مجرم کو متاثرین کے پاس معذرت کے لئے لیجانے کا اہتمام کریں۔ تو پھر کسی سنی ماموم کو یہ حق نہیں رہ جاتا ہے کہ اپنے مانے ہوئے امام کی بات کو قبول نہ کرے۔

عم رسول حضرت عباس بن عبد المطلب، نفس رسول حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت مقداد، حضرت عمار وغیرہم بہر حال اہل سنت کے نزدیک بھی ایسے افراد ہرگز نہ تھے کہ وہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے ارادے رکھتے بلکہ بات محض خلافت کے قیام کے غلط طریق کار کی تھی اب اگر حکومت بہت دھڑی سے استیصال پرتل جاتے اور اپنے آمرانہ طرز عمل کو چھپانے کا خاطر دین، گوڑھال استعمال کرے تو کوئی بھی غیر جانبدار شخص اس موقف کی تائید نہ کرے گا۔ ہاں حکومت باطلہ کے استحکام کے لئے آمر حکمران ایسی کارروائیاں ہمیشہ ہی سے کرتے چلے آئے ہیں۔

پس چونکہ جماعت زبیر بخت کے ارادے نہ ہی مفسدانہ تھے اور نہ ہی دین صلا الامامت والہا است ابن قتیبہ دہلوی۔

کے لئے نقصان وہ لہذا الغریب کے جواز کا یہاں کوئی موقعہ نہیں نظر آتا ہے۔ اور یہ دھمکی بالقصد المصمم سراسر زیادتی، ظلم اور اہتہائی بہیمانہ سلوک کی آئینہ دار ہے پھر بھی ہم کاربن اہل جماعت حکومت کو یہ موقعہ فراہم کرتے ہیں۔ وہ ان عزائم کی نشاندہی کریں جو دین کے لئے محضت رسال اور اسلام کے لئے خطرناک تھے نیز یہ اعلان کریں کہ کون کون سے صحابی اور افراد اہل بیت ایسے تھے۔ جنہوں نے ایسے ارادے کیے ایسی صورت میں یہ فیصلہ آسان ہو گا کہ آیا وہ متقدر رہنمایاں لائق تعزیر تھیں یا نہیں۔

**شیعوں نے اس طعن میں ذکر ترقی کیا ہے۔**

شاہ صاحب بہت تعجب سے لکھتے ہیں کہ۔

”اور عجیب یہ ہے کہ بعض فضلاء نے شیعہ نے اس طعن میں بطور ترقی کے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے زاد بھائی زبیر بن عوام بھی منجملہ ان جوانوں بنی ہاشم کے تھے جن کے ڈرانے دھمکانے کو حضرت عمرؓ نے یہ بات کہی تھی کہ بعد اس کے حضرت زبیرؓ ان جوانوں بنی ہاشم اور حضرت زبیرؓ کو جواب دیا کہ اب ہمارے گھر ایسی مجلس اور مجمع مت کر“

اس بات میں نہ ہی شیعوں نے کوئی ترقی کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی یہ خود ساختہ بات بلکہ تاریخ سے مکمل طور پر ثابت ہے کہ حضرت زبیرؓ عوام اس مجلس میں شامل تھے اور زبیرؓ کی موجودگی یا عدم شرکت سے شیعہ موقف کو نہ ہی کوئی ضرر پہنچا ہے اور نہ ہی فائدہ لہذا اس طعن میں اپنی طرف سے ایسی ترقی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت پوری طرح تاریخ سے ثابت ہے۔ کوئی بھی ایسا مورخ نہیں ہو گا جس نے اس جماعت میں زبیرؓ عوام کو خارج کیا

ہوا۔ لہذا یہ تعجب محض بدعتی اور چشم پوشی پر مبنی ہے۔

## فرد عشرہ مبشرہ نہ ادھر کے نہ ادھر کے

جب تک عبداللہ بن زبیر عالم شباب کو نہ پہنچے حضرت زبیر بن عوام اہل بیت کے ساتھ واپس نہ رہے اور حضرت علی کی صحبت کو اپنا نہ رہے۔ مگر عبداللہ کے حجام ہونے پر انہوں نے مسک باہل بیت کے دامن سے ہاتھ کھینچنے لیا۔ لہذا مذہب شیعہ میں حضرت زبیر کو متخلف اہل بیت سمجھا گیا۔ مگر اہل سنت مسلک کے بموجب حضرت زبیر بن عوام کا شمار ان دس صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی۔ لہذا سنی مذہب میں ان کا اقدار عشرہ مبشرہ کی سند سے بخوبی معلوم ہوتا ہے مگر شاہ صاحب کے نزدیک ایسی بشارت کوئی وقعت ہی نہیں رکھتی ہے چنانچہ حضرت زبیر بن عوام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

سبحان اللہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ خلافت ابوبکر میں اگر زبیر بن عوام تدبیر فساد ڈالنے کی کریں۔ تو معصوم واجب التعظیم ہوں۔ اور حضرت عثمان کے قصاص چاہنے میں اگر سخت بات منہ سے نکالیں تو واجب القتل اور تعزیر ہوں۔  
ادلاً تو ہم حضرت زبیر کی شمولیت کو کوئی وقعت واقعہ احراق میں دیتے ہی نہیں ہیں۔ نہ ہی ان کو معصوم مانتے ہیں اور نہ ہی ان کی تعظیم کو واجب اعتقاد کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ اس موقع پر بے قصور ہیں لہذا ہم انصاف کو ملحوظ سے نہیں جانے دیتے حضرت زبیر نے اختلاف ضرور کیا۔ مگر فساد امت کی کوئی تدبیر نہ کی۔ اور حکومت سے اختلاف کرنے والی جماعت کو حزب اختلاف تو کہا جاسکتا ہے مگر مفسد و غدار نہیں اور پھر یہ کہ جب آپ جمہوری

ہیں تو جمہوریت اختلاف کے بغیر پروان ہی نہیں چڑھ سکتی ہے لہذا یا تو جماعتی حکومت کا دعویٰ کوئی خلافت کا ڈھونگ ختم کر کے آمریت تسلیم کیجئے ورنہ اس اختلاف کو برداشت کرنے کی جرات پیدا کریں۔

اب بیچارے زبیر بن عوام کو آپ چار چاند لگائیں تو جنت کی بشارت دے دیں۔ اور اگر مخالفت پکڑیں تو مفسدین اور مدبر فساد فی الاسلام قرار دیں۔ اگر زبیر مفسدین تھے تو جنت نہیں ہو سکتے اور اگر وہ یقینی اہل جنت سے ہیں تو ان پر فساد کا الزام غلط ٹھہرا۔ شیعہ نظریہ ان کے بارے میں جو ہے وہ تو سب پر عیاں ہی ہے۔ مگر آپ کی اس کلام نے جناب زبیر بن عوام کو ادھر کا رہنے دیا ہے اور نہ ادھر کا اللہ جانے آپ آگے کیا کیا گل کھلا دیں گے حضرت زبیر کے کردار پر بحث کرنا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ سوائے اس کے ایک عشرہ مبشرہ میں کا صحابی بھی حکومت کی تلواریں ظلم کا شکار نہ بنا۔

اب آئیے قصاص عثمان کے مطالبے کی طرف۔ قصاص طلب کرنے کے کچھ طریقے مقرر ہوتے ہیں۔ قصاص طلب کرنے کے لئے آئینی راہیں ہیں اور ضروری ہے قصاص عدالت عظمیٰ میں طلب کیا جائے کیا آپ کسی بھی تاریخی حوالہ سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت زبیر نے کسی عدالت حکومت میں دعویٰ قصاص داخل کیا ہو۔ حالانکہ زبیر نہ ہی مقتول کے وارثوں سے تھے اور نہ ہی قصاص طلب کرنا ان کا حق تھا۔ مگر انسانی حق تمدن کو ہی مد نظر رکھ لیں کہ کیا انہوں نے عدالت کے دروازے پر دستک دی؟ اگر ایسا کیا تو اس میں شک نہ ہوگا کہ فیصلہ کیا ہوا؟ راہ خدا، عیس بھی اس دعوئے قصاص کی کارروائی سے مطلع فرما دیجئے۔ اور اگر قصاص حکومت حقہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا نام ہے تو

پھر بھی کسی تافانی و فقیہی کتاب سے وہ حوالہ بتا دیجئے۔ نہ ہی زبیر کے قصاص طلب کرنے پر سخت کلائی کی وجہ سے ہم ان کو واجب القتل کہیں گے۔ اور نہ ہی بیعت شکنی کرنے پر اگر وہ لائق تعزیر تھے تو محض امامت و خلافت حق کے خلاف مسلح بغاوت کرنے کے جرم میں۔ اور ہم نے اپنی کتاب ”صرف ایک راستہ“ میں قصاص عثمان کی بحث اور جنگ جمل کے واقعات میں یہ بات مکمل طور پر ثابت کر دی ہے کہ زبیر نے آخر وقت اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ پھر نیز یہ کہ قتل عثمان میں ان کے امدادی ہاتھ بھی کارفرما تھے لہذا تفصیلات کتاب مذکورہ میں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔

حضرت زبیر نے حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کو خود اپنی زبان سے اپنی خطا تسلیم کیا ہے جبکہ مخالفت ابو بکر کو انہوں نے اپنی غلطی نہ مانا۔ حالانکہ وہ داماد ابو بکر بھی تھے پس حق و باطل کا فیصلہ اگر زبیر ہی کے کردار و رائے پر چھوڑ دیا جائے تو بھی واقعہ فضلہ صراقی خانہ قبول کو حکومت کی غلطی مانتا پڑتا ہے اور تعظیم و تعزیر زبیر کی اس بحث کا کچھ اثر بھی اس بات پر نہیں پڑتا ہے کہ قصہ اصراق کا واقعہ انتہائی سنگدل اور بے حرمتی کا مظاہرہ تھا۔

### ادھر قابل قبول ادھر واجب الرد

نفیس بحث سے کتر اتنے ہوتے شاہ صاحب آئیں بایں شبائیں ہوئے چلے جا رہے ہیں اور اصل مقدمہ کو چھوڑ کر غیر متعلقہ توضیحات میں تیض اوقات کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی بات کو ہیر پھیر کر کے دھراتے آ رہے ہیں۔ اب پھر کہتے ہیں کہ۔

اور جو حضرت زبیرؓ کے گھر میں بیٹھ کر ایسے ادا دے فساد اور صلاحیں

فتنہ انگریزی کی کریں وہ تو واجب القبول ہوں۔ اور جب حضور میں حرم محرم حضرت رسولؐ کی ہمراہ ان کے ہوں کہ بلاشبہ وہ ام المومنین ہیں دعوتے قصاص یا شکایت عثمان کے قاتلوں کی زبان پر لایٹیں تو وہ واجب الرد اور ازالہ ہوں؟ ہم اب پھر اسی بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ بحث حضرت زبیر کو قبول یا نہ کرنے کی نہیں ہے نہ ہی اعانت زبیرؓ کی یا کٹ کے لئے کوئی اہمیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی تعاون زبیرؓ کی عائشہ کے لئے کسی خصوصیت کا حامل ہے۔ یہ موضوع صرف فاطمہؓ کے گھر کو جلانے کے قصہ کو جائز یا ناجائز قرار دینے سے متعلق ہے نہ ہی اس مصنون میں تعظیم سیدہ یا احترام ام المسلمین کے مباحثہ کو داخل کرنا میسر لئے مزدوری ہے معاملہ وہی ہے کہ سیدہ ایک پُر امن گھر میں مقیم برسر حق تھیں۔ لہذا حضرت زبیرؓ نے اس وقت امر حق کی حمایت کی دوسری جانب بی بی عائشہ کھلی باغیانہ جنگ میں برسر پیکار تھیں۔ امر باطل پر گشتِ خون کروا رہی تھیں اور اس باطل جنگ کی پشت پناہی حضرت زبیرؓ نے کی۔ سیدہ کے گھر میں محض مشادمت تھی ام المسلمین کے میدان میں علانیہ بغاوت کی جنگ تھی۔ ”امن و جنگ“ مد گھر اور میدان ”مد حق اور باطل“ میں اگر امتیاز کرنے کی توفیق حاصل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس عمل پر تقابل واقعہ عائشہ واقعہ فاطمہؓ اصولی طور پر ہی غلط ہے کیونکہ دونوں واقعات میں کوئی قدر مشترک مرے سے ہے ہی نہیں ہے مسلمانوں کی ماں نے امت کے باپ کے خلاف خروج کیا۔ امن و آشتی کی ساری کوششیں خاک میں ملا کر اپنی اولاد کا خون میدانِ جمل کی مٹی کو بٹلایا۔ لہذا باپ پر ضروری ہو گیا کہ ماں کی سرزنش کرے مگر خاتونِ جنت بعثۃ الرسولؐ سے کب مصالحت کی کوشش ہوئی انہوں نے کونسا نظر خون مسلمان بیکار ضائع کیا؟ باغیہ کو نہایت احترام سے واپس



یہاں امید ان سے اس کے اصل مکان میں پہنچانے کا انتہائی عمدہ انتظام کیا گیا مگر غلط فہمی کو بے تصور گھر سے نکالنا چاہا دل تو جلا یا تھا ہی اب سر و سامان بھی جلا دینے کا سامان کیا گیا انٹوس اس وقت آسمان ٹوٹ کر کیوں نہ گرا جب جہنم فلک نے مسجد نبوی کے قریب رخک جنت گھر کے سامنے نار روشن دیکھی۔

کردارِ علویہ کی کسی اور میں بوجہی آجلے تو ہم مان لیں گے۔ ایک ملک گیر بغاوت کو کچلتے ہیں جنگ میں نجات ہو کر بھی باغی گروہ کی سرفہ کو باحترام طور پر اس کے گھر روانہ کرتے ہیں۔ در نہ سیاسی تقاضا تو یہ تھا کہ اسے حراست میں لیتے یا نظر بند کرتے اور نہیں نقل و حرکت پر پہرہ بٹھا دیتے مگر اس مردِ حریت نے شخصی آزادی کا تحفظ کیا کیونکہ اسلام یا ہی غلامی سے نجات دینے کیلئے ہے اور بیعت تک کا مطالبہ نہ کیا۔

مگر حکومت سقیفہ کا یہ کالا کارنامہ جب تک دنیا میں آگ روشن رہے گی لوگوں کو نہیں بھول سکے گا کہ محض اپنی غلامی کا پڑ گلے میں ڈالنے کی خاطر خانہ حریت پر جارحانہ کاروائی کی اور بے گناہ، باپردہ، باعصمت گھر کو ناکردہ گناہ کے باعث مذہبِ نبوی کرنے کا حلف اٹھایا۔

پس اگر عمل زیر لائق قبول تھے محض اس لئے کجماں بن حق قدم اٹھایا تھا اور اگر فعل زیر قابل ازالہ و رد ہے تو صرف اس واسطے کہ امر باطل کی جانب پیش قدمی تھی۔

## اصول شیعہ طریق اہل سنت

شاہ صاحب نے اپنا تمام تر زور بیان صرف کر کے اپنے کٹھ پتلیاں شیعہوں کے دروازے پر پھینک کر دم دباتی ہے اور لکھا ہے کہ ”پس یہ فرق تو نبی بر اصول شیعہ ہے اور اگر چاہیں کہ اہل سنت کو اپنے طریق پر الزام دیں تو کیوں اتنی دور

دور تے پھرتیں بس ایک بات کافی ہے کہ جب ترک جماعت پر کہ سنت موکدہ ہے اور ناکدہ اس کا فقط اسی واسطے ہے جس پر یہ تکلیف شرعی ہے اور اس کے ترک سے مسلمانوں کو کچھ ضرر نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھ دیا ان کے گھر جلائے کی فرمائی ہر تران گھروں کو جلائے میں جن میں ایسے مفسدے میرا ہوں جن کا شر تمام مسلمانوں بلکہ تمام دین کو پہنچے دھکی دینا کیوں جائز نہ ہوگا؟

اس ضمن میں پہلی گزارش یہ ہے کہ جس فرق کو شاہ صاحب نے مبنی بر اصول شیعہ ظاہر کیا وہ قطعاً غلط ہے کیونکہ مندرجہ صدر تمام امور مسلک شیعہ کے خلاف تھے اسی لئے ہم نے ان پر جو ابی تہرہ پیش خدمت کرنا ضروری سمجھا۔ دوم قابل توجہ امر یہ اقوال ہیں کہ گھر فاطمہ کا جلا دینے کی دھکی دینا طریق اہل سنت والجماعت میں جائز ہے۔ لہذا جو لوگ اس واقعہ کو دایہیات، غلط طعن یا الزام شیعہ سمجھتے ہیں ان کو اپنے مذہب سے واقفیت ہی نہیں ہے اس کے بعد ترک جماعت کے بارے میں حضور کی دھکی کو لیجئے غارِ فرض ہے۔ جماعت سے ادا کرنا سنت موکدہ ہے لہذا حضور نے جو ہتھ دیا فرمائی اس سے صرف یہ استدلال قائم ہوگا کہ فرائض و واجبات و سنن کیلئے دھکی جائز ہے بلکہ شاہ صاحب نے زیادہ زور سنت موکدہ کے قیام پر دیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حصول بیعت ابو بکر نہ ہی فرائض میں داخل تھا نہ ہی سنت رسول میں شامل تھا بلکہ یہ ایک ایسا شر تھا جس کے فتوز سے بقول حضرت عمر اللہ نے محفوظ رکھا اور حضرت عمر نے ہدایت کی کہ اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے پس قول عمر ہی سے جب یہ شر ثابت ہے تو پھر اس کیلئے دھکی ناکس طرح جائز ہوگا۔ اگر آپ اپنی اس بات پر قائم رہیں تو یہی دلیل آپ پر اٹھی ہو جاتی ہے کیونکہ حکومت سقیفہ کی بنیاد ایک مفسدے اور شر بد تھی لہذا اس میں قتل تمام سرکردہ افراد کے گھروں کو جلا دینا ان لوگوں کے لئے جائز

تھا جو اس میں شریک کار نہ ہوئے اور اس شرارت سے الگ تھلگ رہے۔

چونکہ آپ نے بات سنت کی پیروی کی چھوڑ دی لہذا اب ہماری میں تھوڑی باتیں سننے کی تکلیف گوارہ کریں خود آپ ہی کے بقول سنت مؤکدہ کے اجراء قیام کیلئے دھمکی دینا جائز ہے تو اب فرمایا کیے کیا رسول کریمؐ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ”میرے اہل بیت کی مثال نوح کی کشتی کی مانند ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا جس نے کنارہ کشتی اختیار کی ہلاک ہوا اور غرق ہو گیا“ اب سنت کی پیروی کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بیت سے متخلف نہ کیا جائے اور ان کے غیر سے متخلف کیا جائے کیونکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے اب جن لوگوں نے ننگ البخاۃ میں آکر پناہ لی انہوں نے یقیناً سنت کی پیروی کی جو لوگ اس کشتی کے قریب نہ بھٹکے بلکہ اسے آگ لگانے آگئے انہوں نے ہلاکت و عذاب کی کا قصد کیا۔ لہذا از روئے سنت ضروری ہوا کہ متخلفین اہل بیتؑ اطہار کو دھمکانا جائز نہ ہے کہ متمسکین اہل بیت کو۔

پس چونکہ متقیف میں بننے والی حکومت نے محبت اہل بیت جو کہ واجبات میں سے ہے کا لحاظ کیا اور نہ ہی سنت رسولؐ کی پاسداری کی بلکہ خلاف سنت ایک ایسا ”دشمن“ پیدا کیا جو خود اپنی کے بقول فتنوں کا باعث تھا اس لئے اس حکومت کے خالیقین اگر اس کے سرخیلوں کے گھروں کو چھونک دینے کا عزم کرتے تو بالکل بمطابق سنت ہوتا جبکہ ایسی حکومت جو ہزات خود ایک فتنہ کی پیداوار تھی اور خلاف سنت تھی یہ ہرگز حق نہیں رکھتی تھی کہ اپنا سکہ بجانے کیلئے پرامن ختمروں اور اطاعت شعاران رسولؐ کے گھروں کو جلانے کی کارروائی کرتی۔

جب خود شاہ صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ حضورؐ نے امت کو دو عظیم الشان چیزوں کے حوالہ کیا قرآن و اہل بیت کے تو اہل بیت کے زیر سایہ ہونا سنت ہو گا اس سے علیحدہ پسندوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی دینا تو بمطابق تہدیر رسولؐ ہو سکتا ہے مگر

حضورؐ کے مقرر کردہ محفوظ خانہ معدن رسالت، جائے پناہ اور بیت نجات کو آگ لگانا یا ایسا ارادہ کرنا یقیناً خلاف سنت ہو گا۔  
نہیں چونکہ اس دلیل سے خود مخالف ہی پر معاملہ الٹ جاتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ظالم مظلوم پر شکایت ظلم کر رہا ہے لہذا ہمارا موقع اپنی جگہ پر قائم ہے کہ قصداً حراق کی کارروائی خلاف سنت بھی تھی اور عام ضابطہ اخلاق کے بھی منافی تھی نیز مبنیہ تہدیر رسولؐ سے اس فعل کو قطعاً کوئی مطابقت نہیں ہے۔

## منتشش پردہ اور تصویریں والا قصہ

قصداً حراق خانہ فاطمہ زہراؑ اسلام اللہ علیہا کے حوازی میں شاہ صاحب ایک اور دلیل بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:-

”اور جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بسبب ہونے پر منتشش اور تصویروں کے گھر میں حضرت زہراؑ کے نہ گھسے جب تک کہ وہ دور نہ کر دی جائیں بلکہ خانہ خدا میں نہ جائیں جب تک کہ صورتیں حضرت ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کے دہانوں سے نہ نکال ڈالی جائیں۔ اگر عربی خطاب بسبب ہونے معتمدوں کے اس خانہ کرامت آشیانہ میں جہاں فتنہ انگیز تمبیریں کا دق و ربع معلوم ہوتا تھا دہانوں کے لوگوں کو گھر چھونک دینے کی دھمکی دیں تو کیا گناہ ان کے ذمہ عائد ہوتا ہے؟“

محولہ بالا روایت کئی وجوہات کے باعث ہمارے دہان مخرج ہے اور مستحکمات میں سے نہیں ہے تاہم اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہی استدلال وضع ہو سکتا ہے کہ جس گھر میں نقش و نگار والی تصاویر یا مجسمے ہوں وہاں رحمت نہیں آتی ہے مگر تیدہ کے گھر ایسا کوئی خلاف شرع امر نہیں تھا اور نہ لوگ وہاں

صح ہو کسی قسم کی فتنہ انگیزی کی ہمارے میں مشغول تھے بلکہ وہ تو ایسا ایسی سازش کے بارے میں مصروف مشورہ تھے جس سے ملت اسلامیہ میں ہر قسم کے فتنے نہ جنم لیں اتحاد و قوم کا شیرازہ بکھرا۔ عدل و انصاف کے نیچے ادھر طے ہو جس کا دور دورہ شروع ہوا، ظالم کو مظلوم کچا جانے لگا اور غاصب کو حقدار تصور کرتے کی راہیں ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔ سنت رسول کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ قرآن و اہل بیتؑ جیسے نقیض کا دامن چھوڑ کر لوگ گمراہیوں کے عمیق گڑھوں میں پھلانگیں مارنے لگے۔ ایسے خونی انقلاب کے خلاف قیام سنت اور استحکام دین یا انعقاد حکومت الہیہ کی خاطر یہ صلاح مشورہ ہوئے تاکہ امت کی بھلائی ہو اور لوگ اسی مرکز پر قائم رہیں جس پر رسول خداؐ ان کو ثابت قدم رہنے کی ہدایت فرماتے تھے یعنی اہل بیتؑ سے جدائی اختیار نہ کریں ایسی مجلس میں شرکت کرنا باعث ثواب تھا بلکہ عبادت تھا لیکن حکومت نے عبادت و ثواب کی پرواہ کئے بغیر اقتدار کے نشہ میں چور اندھا دھند کارروائی کی اور خانہ کرامتؑ آشیانہ پر بجلی گرنے کی تدبیر کی۔ اگر کسی امر حق کی خاطر ایسی دھمکی دے دی جاتی تو بات اور ہوتی مگر یہاں تو سراسر امر گمراہی کے استحکام کیلئے ایسی زیادتی کی گئی ہے اور اگر حضرت عمرؓ کے ذمہ یہ گناہ عاید نہیں ہوتا تھا تو پھر بتایا جائے کہ حضرت عمرؓ کے امام حضرت ابو بکرؓ نے مطالبہ معذرت بارگاہِ سیدہؑ میں پیش کرنے کا اظہار کیوں کیا بے گناہ بھی معافیاں مانگا کرتے ہیں؟

## مراعاتِ ادبِ مقتضی ایسی دھمکی کی نہ تھی

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ معذریہ کہ مراعاتِ ادب مقتضی ایسی دھمکی کی نہ تھی لیکن معلوم ہوا کہ رعایتِ ادب کی ایسے بڑے کاموں میں کوئی نہیں کرتا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ بلند کردار انسان ہمیشہ ادب کی حدود کی حفاظت کیا کرتے ہیں کیونکہ انسانیت کی معراج یہی ہے کہ بدقیزی کرتے وقت بھی تیز کا دامن نہ چھوڑے اور بے ادبی کے تقاضے بھی ادب کے دائرہ میں رہتے ہوئے پورے کئے جائیں بدتمیزی کرتے ہوئے بھی تہذیب مد نظر رہے۔ یہی اسلام کا عالمگیر سبق ہے اور اس کی تہذیب محض غلط سوچ اور مجرم کی پیشہ درانہ وکالت بے اصل پر ہی مبنی ہو سکتی ہے اسلامی دستور یہ ہے کہ حلم دامن کے سارے ہتھیار آزمانے کے بعد تلواری دفاع کیا جائے نہ کہ وحشیانہ کارروائی کر کے جارحیت کی رسم پر عمل کیا جائے۔

کام خواہ کس قدر ہی بڑا کیوں نہ ہو قانون خداوندی سے فوقیت نہیں پاسکتا ہے اور حکومت سقیفہ بلاشبہ اللہ کی حدود و قانونیہ سے بالاتر نہ تھی لہذا ان کی اولین ذمہ داری اور تقاضا کے تدبر انسانیت یہی تھا اس اختلاف کو امن سے حل کرنے کی کم سے کم کوشش تو ضرور کرتے۔ پس ادب کا تقاضا کسی بھی وقت ساتھ نہیں چھوڑتا ہے خواہ وہ جنگ کا میدان ہو یا پیرامن گھر کا صحن و دروازہ۔

## فعلِ معصوم سے مطابقت

شاہ صاحب نے اپنی عبارت کا تتمہ اسی بات پر کیا کہ حضرت عمرؓ کا فعل حضرت علیؓ علیہ السلام جیسے معصوم امام کے مطابقت ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-  
”بدلیلِ نقل امیرؑ یا عائشہ صدیقہؑ کہ بے شبہ نہ وہ جو محبوبہ رسولؐ اور مل تمام مسلمانوں کی



اور واجب التعظیم تھیں پس جو بات حضرت سے مطالبہ فعل معصوم کے وقوع میں آئی تو محل طعن و تشنیع کیوں ہو؟

اس توضیح پر ہم پہلے کافی حد تک اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں اور مزید عرض یہ کرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے حرم رسول پاک کے احترام کا مکمل خیال رکھا تقریراً تحریراً علماً اور فعلاً ہر وہ ادبی تقاضا پورا کیا جو حرمت کے امکان میں احاطہ کئے تھا آپ نے قطعاً حضرت عائشہ کے گھر کا گھیراؤ یا جلاؤ نہیں کیا نہ ہی حصول بیعت کی خاطر کوئی طاقت آزمائی فرمائی حتیٰ کہ پوچھا کہ نہیں ہے یہ سارے واقعات کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ حالانکہ حضرت علی کو بجانب رسول طلاق تک دینے کا اختیار حاصل تھا اور بنی صاحبہ کا قصور وار ہونا خود ان کی اپنی زبان ہی سے ثابت ہوتا ہے لیکن پھر بھی سوائے میدان جنگ میں جو ہر آزمائی کے جناب امیرؑ نے ادب و لحاظ کے تمام مراعات و حقوق کو ملحوظ خاطر رکھا مگر حضرت عمرؓ نے بلاوجہ معقول سیدہؓ کے گھر کو جلانے کا حلف اٹھایا۔ ترش کلامی سے گفتگو کی۔ دست اندازی سے بھی دریغ نہ کیا۔ گفت و شنید کا موقع ہی نہ آنے دیا۔ الغرض فعل معصوم یہ کہ جنگ میں بھی پاسداری حقوق قائم رہی۔ اور فعل عمرؓ ہے کہ پیرامن گھر میں بھی عورتوں کا احترام اور حرمت اہل بیت کا لحاظ نہ کیا فعل معصوم عمل طعن و تشنیع اس لئے نہیں کہ کارروائی ضابطہ آئین کے مطابق تھی اور عمل علانیتِ مروت اس واسطے ہے کہ نہ ہی مقصد کارروائی نیک ارادہ

کے لئے تھا اور نہ ہی دوران کارروائی ادب و تعظیم کے مراعات کو خاطر میں لیا گیا علیؑ نے ایک ٹھکے ہوئے گروہ کو ہدایت پر لانے کے لئے جہاد کیا اور عمرؓ نے ایک ہرایا

ہدایت گھرانہ کو گمراہی کو ہدایت کھلوانے کے لئے فساد کیا۔ پس جہاد محل طعن ہو نہیں سکتا اور فساد تو ہے کہ قبیح و شنیع شے۔ لہذا حضرت عمرؓ کے اس قصد کو جو بدعتی پر مبنی تھا حضرت علیؑ جیسے معصوم امام کے اس فعل و عمل سے کوئی مطابقت نہیں ہو سکتی جو سراسر نیک نیتی اور فلاح و بہبود ملت اسلامیہ کے لئے تھا۔ القصہ مختصر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب کی تمام بحث کا جواب ہم نے پیش خدمت کیا جس سے قارئین کرام بخوبی فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح و کالت کر کے چوری اور اوپر سے سپینہ زور کی کہادت کا عملی ثبوت دیا ہے زمانہ ادراک و دانش کا ہے بات بات کی کھال اتار کی جاتی ہے شیعہ معروضات اور سنی توضیحات دونوں عوام الناس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہیں اب فیصلہ کرنا آپ کے اذنان و قلوب پر منحصر ہے کہ حق و باطل میں امتیاز پیدا کر لیں۔ ہم نے صرف ہدایت و گمراہی کا فرق ظاہر کرنے کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں سے کم کرنے کی کوشش کی ہے باقی معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی راہ اب آسان ہے۔ لہذا بقیہ ذمہ داری آپ کے لئے باقی چھوڑی جاتی ہے۔

ہم اب دوسرا رنج اختیار کئے لیتے ہیں۔ اور آپ کی ملاقات ایک سبیل بیرسٹر جناب عمر حضرت شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی سے کراتے ہیں۔ آپ نے شاہ صاحب کے بعد اس وکالت کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ چونکہ اس مقدمہ کے نشیب و فراز سے آگاہی حاصل تھی۔ لہذا انہوں نے آتے ہی اعتراف کر لیا کہ یہ فعل اصرار خانہ غلط کا قصد بلاشبہ عدل کے منافی تھا۔ اور خطرہ حضرت عمرؓ کی ذات کو اس فعل سے محفوظ قرار دیا جاسکتا ہے لہذا یہ بے اعتدالی ان سے سرزد ہوئی



بلکہ اس طرح کی دیگر باعتمادیاں بھی کی گئیں مگر ان کے نتائج میں فتنے دب گئے چنانچہ لکھتے ہیں کہ۔

”یاد رکھنا چاہیے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتی تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب علیؑ اور حضرت معاویہؓ میں واقع ہوئیں۔“

الف روق حصہ اول ص ۱۱۳

مولوی شبلی نعمانی صاحب نے ان کارروائیوں کو بے اعتدالیاں تو تسلیم کر لیا مگر ان کے زعم میں ایسی کارستانیوں فتنوں کو دبانے کے لئے مفید ثابت ہوئیں۔ مگر مجھے شبلی سے ہرگز اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہوا ان کارروائیوں نے فتنوں کو جنم دیا اور سازشوں کی آبادی اس کثرت سے بڑھی کہ آج تک منتشر شیرازہ ملت متحدہ ہو سکا پورا اسلامی نظام تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ آج یہ حالت ہے کہ اسلام کئی گروہوں میں بٹا پڑا ہے۔ اور آئے دن آپس میں جدال ہوتا رہتا ہے ان کارروائیوں سے پہلا فتنہ یہ پیدا ہوا کہ معزز لوگوں کی عزت و آبرو کی کوئی وقعت نہ رہنے دی گئی۔ سرپرستوں سے احسان فراموشی کرنے کی رسم کا آغاز ہوا حقیقی والیوں کے حقوق کو غصب کرنا نیکی قرار پایا۔ مقدس مقامات کی تحقیق جائز سمجھی گئی مندرات کی حرمت نہ کرنا نیکی خیال کیا جانے لگا۔ الغرض ہر باخلاقی نے جائزہ اخلاق زیب تن کرنا شروع کیا بھائی بھائی سے دست و گریبان ہوا۔ کبھی زکوٰۃ پر جھگڑے ہوتے اور

۴ اور چار دیواری کا توتڑا ہوا ہزارہ نہ رہا۔

کبھی قحط سالی مقدہ بنی۔ کبھی غنیمت باعث نزاع بن گئی اور کبھی مسلمان عورتوں سے دست اندازی کرنے کا قانونی جواز چاہا گیا۔ الغرض جو کچھ بھی ہوا یا اب ہو رہا ہے میں کہتا ہوں اس ساری بربادی و زوال کی وجہ محض وہ بے اعتدالیاں ہیں جو مقتدران حکومت سقیفہ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ اگر مولوی صاحب کی مراد سیاست ہو تو بھی سیاسی بربادوں کا منبع بھی یہی باتیں ہیں۔ اول دور میں فتنہ زکوٰۃ کا کھڑا ہوا اور ارداد کا ڈھونگ رچا مسلمانوں نے مسلمانوں کو بے دریغ ذبح کیا۔ ایک جبریل نے مسلمان خاتون (صحابیہ) زوجہ صحابی سے زنا کر کے مسلمان کا مذاق اڑایا۔ لوٹ مار ہوس ملک گیری۔ فوج کشی کو فروغ ہوا دینہ نے اسلام کی اشاعت کو تلوار کا زور کھپا۔ مسلمانوں نے اپنے ہی امام کو مدینۃ الرسول میں سواہینہ کے محاصرہ کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی لاش مسلمان قبرستان میں بھی دفن نہ ہونے دی ایک امام کی بیعت کی مگر مطلب بڑے آنے پر توڑ کر بغاوت کی مٹھان لی رسول کے گھر والوں کی توقیر جاتی رہی حتیٰ کہ بی بیان میں سارے کہنے کو بھوکے پیاسے ذبح کر دیا گیا۔ عورتوں کو قیدی بنانا نشانِ فاطمہؑ سمجھا گیا۔ الغرض سوائے زمین مفتوحہ کے ہمیں حکومت سقیفہ میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ انہوں نے فتنے دبا ئے یا سازشیں کچلیں اور اگر فتنہ یا سازش صرف اسی کو کہتے ہیں کہ حکومت کے خلاف زبان کھول دی جائے تو پھر یہ دوسری بات ہے کیونکہ ہم تو اس کو جہاد کہیں گے کو حضورؐ کی تعلیم یہ ہے کہ جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا بڑا اچھا ہے اور مجاہد کافر قیامت میں مفسد یعنی غیر مومن ہی ہو سکتا ہے۔

غیر سہارا آمد عاتو محض یہ اقرار کرنا ہی تھا کہ واقعہ قصداً صراق خانہ فاطمہؑ پر



سلام اللہ علیہا ہے اعتدالی اور زامننا سب کارروائی تھی سوا میں ہمیں کامیابی ہوئی اب رہی یہ بات کہ اس سے حکومت کو فائدہ پہنچایا عوام کو تو بسم بلا اعتراف کرتے ہیں کہ حکومت کو اس کارروائی میں وقتی کامیابی ضرور حاصل ہوئی مگر عوام کے مفاد میں جو بیداری آئی اس کا ردنا آج تک رویا جارہا ہے۔ اور مسلمان اپنا مرکز کھو چکا ہے۔

رہ گئی نبی ہاشم کی سازشوں والی بات تو اس کا رد نبی عباسیہ کی حکومت کے قیام ہی سے ہو جاتا ہے سقیفہ کی حکومت کو چند ہی سال نصیب ہوئے اس کے بعد پورے ملت اسلامیہ کو ملکیت کے شکنجہ نے ایسا جکڑا کہ آج تک نجات حاصل نہ ہو سکی۔

بہر حال فاطمہؓ گھر جلانے کا ارادہ تو حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر کیا لیکن اس قسم کو عملاً یزید ملعون نے پورا کر دیا۔ یزید بھی محمود عباسی کے مطابق حضرت عمرؓ کا خاص پیروکار تھا۔ لہذا میر کی قسم میر نے پوری کر دی اور جو آگ خلیفہ ثانی نے بتولی کے دروازے پر روشن کی اہل سنت کے چھٹے راشد خلیفہ ابو خالد یزید بن معاویہ لعین نے اندرون خانہ پہنچانے کا پورا پورا پابند ولایت کر دیا اور حضرت ثانیؓ کا مدح کو تسکین اور دل کو قرار پہنچایا۔

وہ وقت بھی آ رہی گیا جب اس گھر کو آگ لگا دی گئی جو دنیا کو جہنم کی آگ سے نجات دلانے کے لیے وجود میں آیا تھا جس شیعہ المذہب نے مخلوق کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہے اس کی اُمت نے اس گھر کو آگ لگا دی۔

چمن فاطمہؓ کا ایک ایک پھول اور ایک ایک کلمہ خزاں کی زد میں آئی ہوئی ہے پتیاں بکھر چکی ہیں۔ یزیدی فوج جنت فتح منانے میں مصروف ہے

سورج مارے شرم کے منہ اپنے گریباں میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے آسمان رو رہا ہے۔ زمین کی آنکھیں خون کے آنسو بہا رہی ہیں گرمی کی حدت سرد ہو گئی ہے عروسِ شام نے سورج جوڑا اتار کر آتش شفق میں پھینک دیا ہے اور یہاں لباسِ زیب تن کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے اور کہہ رہی ہے آج میں شامِ غریباں ہوں۔ دھوپ کی حرارت میں اندر دگی آگئی ہے۔ منظر نے روشن دن کا چہرہ زرد کر دیا ہے۔

فاطمہؓ کی دوسری زہرا بیٹی عالم پریشانی میں مقتل گاہ کی خاک چھان کر بتولی کے گھر کی راگھ دیکھنے کا انتظار کر رہی ہے۔ حسینؓ اپنے امتحان میں کامیابی کی سند حاصل کر چکے ہیں اور اب زینبؓ کے امتحان کا نتیجہ سننے کیلئے بے قرار ہیں فرشتوں کو حیرت ہے اور دوسری منہ میں انگلیاں دبائے ایسے عمر ہیں کہ سکتے طاری ہو جائے عالم ارواح میں تذبذب پایا جاتا ہے۔ جماعتِ مسلمین تعجب کناں ہے کہ وہ صفت نازک جن کے سہاگ اجڑ چکے ہیں۔ قنادوں کا خون بہہ گیا ہے۔ کڑیل جوان ڈھیری بن چکے ہیں۔ خیر خواہوں کے گہوارے خالی ہیں اور ہوا کے جھونکے بھی ساکت ہو گئے ہیں۔ ہری بھری گودیوں کی گرمی دل کو جلا رہی ہے۔ ہر سایہ سر سے اٹھ چکا ہے اور رخ ہوا یہ ہے چادر تک چھین لی گئی ہے۔ کوئی حرمت کا محافظ باقی نظر نہیں آتا ہے اگر اس ہے تو صرف اس کی جس کی مصلحت نے ایک بیار کی تیار داری کرنے کی آزمائش بھی داخل امتحان کر رکھی ہے اس کے راز میں وہی بہتر جانتا ہے کہ کس دل و گردہ کی وہ محذرات تھیں کہ کیا جمال جو آزمائش کی گھڑی میں بال برابر بھی ادھر سے ادھر ہوتی ہوں۔



شمر لعین بڑی سخت و تکبر سے چند شیطانوں کے ساتھ آ رہا ہے آج انہوں نے اپنی ایک ادھوری قسم کو پورا کرنا ہے۔ پرانے عہد کی دفا کرنی ہے بڑے عوش ہیں۔ خاندان بتولؑ نے بھی اس ملعون گروہ کے تیور بھانپ لئے ہیں عالم بے بسی میں بیبیاں ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں بھاگتی جا رہی ہیں۔ تمام خیموں کو آگ لگا دی گئی ہے۔ شعلے بلند ہو رہے ہیں اور آگ زیادہ کر رہی ہے کہ بار اہل کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تو نے مٹی کے پتلے کو پیدا کیا ہے یہ شریہ ہے اب تو گواہ رہنا کہ میں بے قصور ہوں مجھے جبراً استعمال کیا جا رہا ہے خیمے راکھ ہوئے جا رہے ہیں۔ ادھر لیٹرے مال لوٹنے کی نگرانی میں جو کسی کے ہاتھ لگتا ہے اکٹھا کر رہا ہے ناطہ کے گھر میں مال دہری کیا ہاتھ آتا دہاں تو نور بدایت مل سکتا تھا جسے وہ ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ مایوسی ہوئی تو بے گناہوں نے کپڑوں کو چھیننا شروع کیا سکیہ جیسی معصوم خنزادی کے کانوں کی بالیاں نوچ لی گئیں۔ جس بچے نے دادیلا کیا اسے تازیانے سے چپ کرایا۔ جس نے احتجاج کیا اس کو طاپنے رسید کئے ظلم و ستم کے سارے مار، تہر و غضب کے تمام ڈھنگ، جور و جفا کی کل تدبیریں آزمائیں مگر اس جماعت مفصلین کی ثابت قدمی میں لغزش کی بجائے ثبات ہی نظر آیا۔

یہ حوصلہ، ایسی جرأت، بلند ہمتی، استقلال، تنظیم و یقین حکم دیکھ کر بھی ان بے غیرتوں کی غیرت بیدار نہ ہوئی۔ عورتوں اور بچوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے بعد ان کی بے شرمی کا بغیظ اور تیز ہوا جس طرح کسی شکست خوردہ متکبر کی سخت بڑھ جاتی ہے لہذا یہ اس مریض کی جانب بڑھے جو عالم غشی میں ہمارے

اور زما امامت حقہ کا چارج حاصل کرنے میں مصروف ہے۔

بے ہوش فاطمہؑ کے پوتے سید الساجدین امام العابدین حضرت علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کو فخر ملعون نے پورے زور سے گھیسٹا کہ بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ سر پر مصائب کی فوج دیکھ کر سمجھ گئے کہ حق و باطل کی جنگ کا ایک مرحلہ ختم ہو گیا ہے اور اب دوسرا جاری ہے۔ شمر نے بکواس کی کہ اس کا سر بھی قلم کر دو۔ یہ سننا تھا کہ علیؑ کے پوتے کے تیور بدلے۔ انگڑائی لے کر اٹھے جب یہ منظر سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے دیکھا تو شیر ناطہ نے جو خن مارا خون علیؑ کو جلال آگیا غضب فاطمہؑ میں حرارت ہوئی۔ استقلال حسن متحرک ہوا اور شجاعت حسینہ نے انگڑائی لی زبان وحی بیان والے رسولؐ کی نوا سی نے فرمایا: بے غیرت لوگو جیا کرو۔ اب بیمار کو بھی قتل کرو گے۔ آؤ پہلے ہمیں موت کے گھاٹ اتار دو۔ ہم اپنی زندگیوں میں اسے قتل نہیں ہونے دیں گے؛ کلام زینبؑ کے رعب سے ان پر خوف چھایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ زینبؑ علیا نہیں بلکہ امیر المومنین علیؑ السلام میدان کربلا میں آگئے ہیں چنانچہ وہ اپنے اس عزم بد سے باز رہے اور اہل بیت کو خیموں کی راکھ پر روتے پلٹے چھوڑ کر دفع ہو گئے۔

الغرض جس گھر کو جلانے کا قصد اللہ میں کیا گیا وہ اللہ میں جلا دیا گیا اور جس طرح واقعہ قصد کو جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے اسی طرح واقعہ کربلا کو بھی حکومت کا جائز اقدام ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ اور لوگوں نے علانیہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ حسینؑ علیہ السلام نے یزید پر خروج کیا تھا لہذا ان کے عدم تعاون و قلت تدبیر کے باعث یہ سانحہ عظیم رونما ہوا۔ بہر حال یہ

تنازعے اب اتنے بڑھ چکے ہیں کہ ان کا مفصلہ روزِ قیامت ہی ہو گا۔ قیامت روزِ حساب ہے۔ اس دن ہر جھگڑے کا مفصلہ ہو جائے گا اور یقیناً فاطمہؑ کے گھر کو جلانے والے مجرموں کو قرارِ واقعی سزا ملے گی۔ اب ہم اس ساری بحث کو ختم کرتے ہیں اور خاتونِ قیامت کے کچھ مناقبِ نفل کر کے القاسم دعا کرتے ہیں۔

## خاتونِ قیامت

سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا وہ خاتون ہیں جن کو حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری بیٹی خاتونِ قیامت ہے۔

کون خاتونِ قیامت! وہ جن کا لقب زہرا ہے۔ زہرا کلی یا ضیاء کو کہتے ہیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے ”میری بیٹی سے جنت کی خوشبو آتی ہے“ (نور الابصار ص ۲۵) سید المرسلینؑ اسی لئے اپنی اس کلی خلد کو سونگھا کرتے تھے۔

روایت ہے کہ روزِ عشرِ جب فاطمہؑ کی سواری میدانِ محشر سے گزرے گی منادی کر دی جائے گی کہ اے اہلِ محشر اپنی لگا ہوں نیچی کر لو کہ محمدؐ کی صاحبزادی فاطمہؑ کی سواری گزرنے والی ہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۵۳۳، ح ۲ ص ۵۳۳، ح ۲ ص ۵۳۳ وغیرہ)

فاطمہؑ خاتونِ قیامت کی سواری ہزار حوروں کے جھرمٹ میں پل صراط سے ایسے گزر جائے گی جیسے بجلی کو نہ جاتی ہے (حضانہ کبریٰ جلد ۲ ص ۲۲۵) حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ میری بیٹی خاتونِ قیامت میرے بعد سب سے

پہلے جنت میں تشریف لے جائے گی (حضانہ کبریٰ جلد ۲ ص ۲۲۵) المستدرک میں امام حاکم نے روایت کی ہے کہ فاطمہؑ کی اولاد پر خدا نے اگ حرام فرمادی ہے (المستدرک ج ۳ ص ۱۵۲) مگر امت نے فاطمہؑ اور ان کی اولاد پر آگ حلال سمجھی ہے۔ کیا یہ خدا کا مقابلہ نہیں ہے؟

نیز یہ بھی روایت ہے کہ فاطمہؑ اور ان کے شوہر زیدار کے مسکن سے جنت ایسے منور ہو جائے گی جیسے سورج چڑھتا ہے۔

آپ ہیں وہ خاتونِ قیامت کہ آپ کے حب داروں کو جنت کے ٹکٹ دیے جائیں گے کیونکہ روایت ہے کہ آپ کی شادی مبارک کے موقع پر سعادت پر رضوانِ فرشتہ نے طوبیٰ کے درخت کو بلایا تو حبان اہل بیت کی تعداد کے برابر پتے گرے اور وہی پتے روزِ قیامت جنت کے پرانے بن جائیں گے۔

سیدہ طاہرہؑ ہیں خاتونِ قیامت کہ جنت میں اپنے شوہر اور اولاد کے ساتھ اسی مقام محمود پر رہائش پذیر ہوں گی جہاں ان کے والد محترم (محمدؐ) ہوں گے (صواعقِ محرقہ ص ۱۵۱، مسند احمد جلد ۳ ص ۲۶۱، شیعۃ اللغات جلد ۴ ص ۶۸۴)

وہی ہیں خاتونِ قیامت جن کا نام نامی رسولِ مقبولؐ نے فاطمہؑ رکھا اور فاطمہؑ اس کو کہتے ہیں جو نجات دلانے والی ہیں جو جہنم سے اپنے غلاموں کو نجات دلانے والی ہیں (نور الابصار ص ۲۵ صواعقِ محرقہ ص ۱۸۸)۔

خاتونِ قیامت ہی کی شانِ عصمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور احترام پر وہ کو مد نظر رکھتے ہوئے فرشتوں نے بھی بلا اجازت گھر میں آنا گوارہ نہ کیا حاملِ وحی جبرائیل علیہ السلام جیسے امین ملک نے بھی جب چادرِ تطہیر میں سیدہؑ کی موجودگی کی خبر پائی

تو داخلہ سے قبل اذن حاصل کیا حالانکہ وحی کے سلسلے میں جبرائیل کو ایسی اجازت طلبی کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔

حد تو یہ ہے کہ ملک الموت جیسی ہستی جسے کسی کے پردہ کی پرواہ نہیں ہے اس نے بھی پردہ خاتونِ جنت کا احترام کیا اور سیدہ کی روح قبض کرنے پر ہچکچاہٹ محسوس کی چنانچہ روایت ہے کہ خود پروردگار عالم نے اپنے دستِ قدرت سے سیدہ تبول کی روح منورہ کو قبض فرمایا (روح البیان جلد ۵ ص ۲۲) لیکن صد حیف ہے امت کے ان افراد پر جنہوں نے سیدہ کے گھر پر چڑھائی کر دی اور چھونک دیا۔

## علامہ اقبالؒ کی اقبالِ مستدی

علیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی ذاتِ گرامی قدر محتاج تعارف نہیں ہے آپ نظریہ پاکستان کے خالق اور ملتِ اسلامیہ کے فرزندِ عظیم ہیں لہذا ہم اپنی اس کتاب کا اختتام ان نگہائے معقیدت پر کرتے ہیں جو علامہ اقبال نے بارگاہِ خاتونِ قیامت میں نذر فرمائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :-

مریم از یک نسبتے عیسیٰ عزیز  
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز  
نور چشم رحمتہ اللعالمین

آں امامِ اذلین و آخرین  
بالوے آں تاجدارِ ھلکے اقلے  
مرتضیٰ مشکل کشا، شیر خدا  
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق  
مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق

یعنی حضرت مریمؑ صرف ایک نسبت سے صاحبہ عزت ہیں کہ آپ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ محترمہ ہیں جبکہ سیدہ طاہرہؑ کو ایسی نسبت تین طریقوں سے حاصل ہے کہ رحمت اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کا نور ہیں جو تمام پہلے و آخری آدمہ کے امام ہیں اور آپ ان شہنشاہ کی زوجہ محترمہ ہیں جن کے سر پر خداوند تعالیٰ نے ھل الح (سورہ دھر) کا تاج رکھا ہے جو مرتضیٰ ہیں مشکل کشا زمانہ میں اور اللہ کے شیر ہیں۔ آپ کی تیسری نسبت معززہ ہے کہ آپ حسین جیسے عظیم فرزند کی والدہ گرامی قدر ہیں کہ وہ حسین جو عشق کی پرکار مرکز ہیں اور عاشقانِ خدا کے قافلے کا سالار و سردار ہے۔

علامہ اقبال پھر فرماتے ہیں کہ :-

بہر محتاج ویش آں گو نہ سوخت  
بایہودی چادرے خود را فردخت

نوری دہم آتشی فرماں برکش  
گم رفاش در رفاے شوہرکش  
آں ادب پروردہ صبر و رضا



آسیا گردان دلب قرآن سرا

گر یہ مائے اوز بایں بے نیاز

گو ہر افشاں دے بد امان نماز

اشک اُد بہ چید حبیر ایل از زمین

ہمچو شبہم ریخت بر عرش بریں

یعنی سیدہ طاہرہؓ نے ایک یہودی کے آگے اپنی چادر مبارک فروخت کر کے ایک محتاج کی حاجت ردی فرمائی۔ نوری دنا ری مخلوق آپ کے فرمان کی منتظر تھیں کرا طاعت کریں مگر آپ نے اپنی رضا کو اپنے شوہر نامدار کی رضا میں گم کر دیا تھا۔ آپ صبر و رضا کی پورہ درودہ بلکہ عجمہ صبر و رضا تھیں کہ ہاتھ چکّ چلاتے تھے اور ہونٹ تملادت قرآن میں مصروف ہوتے تھے۔ آپ مصطفیٰ پر نماز ادا کرتیں تو آنکھوں سے آنسوؤں کے موتیوں کی بارش برس جاتی اور ان مقبرک اشکوں کو حضرت جبرائیل علیہ السلام زمین پر سے اس طرح چن لیتے اور عرش معلیٰ پر ان کو ایسے بکھیر دیتے کہ جیسے شبہم بکھرتی ہے۔

اس کے بعد خانہ مشرق، مرد قلندر، حکیم الامت اپنی عقیدت کا اظہار اس

طرح کرتے ہیں:-

رشتہ آئین حق زنجیر پا است

پاس فرمان مصطفیٰ است

ورنہ گردے تزیینش گردیدے

سجدہ نابرخاک ادا پاشیدے

یعنی میرے پاؤں میں شریعت اسلامیر کی زنجیر ہے اور حضرت رسول کریمؐ کے ارشاد و حکم کا پاس ہے ورنہ میں دائے سیدہ طاہرہؓ (تیرے مزار اقدس کا طواف کرتا رہتا اور اس کی مٹی پر سجدہ ریز رہتا۔

العرض وہ خاتون قیامت کہ جس کی تعریف و توصیف کا حق او اکبر نا انسانی استطاعت کے بس کی بات نہیں ہے جب اپنی مصیبتوں اور اذیتوں کا مقدمہ بارگاہ الہیہ میں پیش فرمائیں گی تو یقیناً مجرموں کو ان کے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا۔ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی حرکت سے جو خاتون قیامت کی غضبناکی کا سبب بنے اور رب العزت سے دعا گو ہوں کہ اے پروردگار ہمارے دلوں میں خاتون جنت کی خالص محبت و عقیدت کو پر دان چڑھا اور ہر اس بات سے محفوظ رکھ جو سیدۃ النساء العالمین کی ناراضگی کا باعث ہو (مین رنگ بہار باغ رسالت میں فاطمہؓ سرچشمہ ریاض دلایت میں فاطمہؓ امید گاہ حشر و قیامت میں فاطمہؓ دنیا میں وجہ آیت رحمت میں فاطمہؓ روح رواں پیچمن و حبان مصطفیٰؐ آل عبا کی دوسری آیت میں فاطمہؓ معصومیت پہ جن کی ہے حور و ملک کو ناز نقد و متاع عہد نبوت میں فاطمہؓ

گدا ئے حر و متبول  
عبد الکریم مشتاق

# عبدالکریم مشتاق کی ایمان افروز تحقیقی کتب

چودہ مسئلے	اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا!
صدیق اکبر و فاروق اعظم	اہل بیت اور انداج میں فرق
اصول دین (میں شیعہ کیوں ہوا؟)	انگور کھٹے ہیں!
تصدیق لفظ شیعہ	ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟
ہم متعہ کیوں کرتے ہیں؟	ہزار تمہاری دس ہماری
وصی رسول اللہ	شیعہ مذہب حق ہے
علی ولی اللہ	عنوان
سوسنار کی ایک لوہار کی	فقہ جعفری اور مختلف مکاتب فقہ
فروع دین (میں نے سنی مذہب کیوں چھوڑا؟)	چار یار
وہی مجرم وہی منصف	ایٹم بم کا دوسرا نام انجمن سپاہ صحابہ
اگ خانہ بتول پر!	چلور انسانیت
یار رسول اور غار ثور	بل اور بلا
افسانہ عقد ام کلثوم	چراغ تلے اندھیرا
واقعہ قرطاس اور کردار عمر	آپ کا کیا حل ہے؟

ناشر

رحمت اللہ بک انجینی - ناشران و تاجران کتب  
بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۱